سیرۃ الامام ابو جعفر

محمد التقی
علیہ السلام

مصنفہ

سید محسن مظفر النقوی

ناشر

مکتبہ عماد الاسلام کراچی

سِیرۃ الامام ابوجعفر

محمّد

التقی علیہ السلام

مُصنّفہ

سیّد محسن منظر النقوی

ناشر

مکتبۂ عماد الاسلام

۲۰/۳۹۳، فیڈرل بی ایریا، کراچی

قیمت : دس روپے

(اس کتاب کے حقوقِ اشاعت بنام مصنف محفوظ ہیں)

*

نام مصنف ———— سید محسن مظفر نقوی

بار اوّل ———— فروری ۱۹۸۴ء

تعداد ———— ایک ہزار

ناشر ———— مکتبۂ عماد الاسلام

۴۹۳/۲۰ فیڈرل بی ایریا، کراچی

پریس ———— سندھ آفسٹ پریس۔ کراچی

قیمت ———— دس روپے

maablib.org

فہرست

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶	تقریظ۔ صدر العلماء حضرت علامہ مفتی سید نصیر الاجتہادی	۱
۸	مقدمہ مصنف	۲
۱۳	امام محمد تقی علیہ السّلام	۳
۱۴	ولادتِ باسعادت	۴
۱۵	امامت پر نص	۵
۱۷	صفات اور حلیہ	۶
۱۸	علم و فضل	۷
۱۸	لباس	۸
۱۹	نشست	۹
۱۹	آپؑ کے عہد کے سیاسی حالات و حوادث	۱۰
۲۲	آغاز عہدِ امامت	۱۱
۲۳	مدینۃ الرسولؐ سے بغداد طلبی	۱۲
۲۵	امام محمد تقی علیہ السلام کی تزویج	۱۳
۳۳	دو اہم واقعات	۱۴
۳۵	مدینۃ الرسولؐ کی یاد	۱۵
۳۶	ام الفضل اپنے آپ کو مطمئن نہ کرسکی	۱۶
۳۸	مامون کی بوران دخت سے شادی	۱۷
۳۹	ام الفضل کے شکایتی خطوط	۱۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۴۱	مامون کا انتقال اور معتصم کی گدی نشینی	۱۹
۴۳	امام محمد تقی علیہ السلام کی دوبارہ بغداد طلبی اور امام علی نقی ؑ کی امامت پر نص۔	۲۰
۴۷	ایک چور کا قصہ اور قاضیٔ وقت کا غلط فیصلہ	۲۱
۴۹	امام علیہ السلام کی شہادت	۲۲
۵۰	امام علیہ السلام کا قاتل کون تھا؟	۲۳
۵۴	تاریخ شہادت	۲۴
۵۵	آپ کی ازواج و اولاد	۲۵
۵۶	موسیٰ المبرقع ؒ	۲۶
۵۸	آپ ؑ کی علمی خدمات	۲۷
۶۴	آپ ؑ سے نقل کرنے والے راوی	۲۸
۶۶	امور دینیہ سے متعلق امام ؑ کی تشریحات	۲۹
۷۴	امام ؑ اور یحییٰ بن اکثم کے مناظرے و مذاکرے	۳۰
۷۹	امام ؑ اور احادیث	۳۱
۸۴	امام ؑ کے چند فتوے	۳۲
۸۹	امام ؑ کے چند خطوط	۳۳
۹۵	امام ؑ کے ایک مشہور معجزے پر نقد و تبصرہ	۳۴
۱۰۴	احادیث سلاسل الذہب	۳۵
۱۱۱	امام ؑ کے ارشادات	۳۶
۱۱۷	کتابیات	۳۷

پیش لفظ

ائمہ علیہم الصلاۃ والسلام میں سے ہر ایک کی مقدس سیرت نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ انھیں کی سوانحِ حیات سے قلوب کو ضیاء اور اذہان کو جلا ملتی ہے۔ یہی شخصیتیں ہیں جن کی پیروی پوری دنیا کو باہمی آویزش، ذہنی پسماندگی اور ظلم و بربریت کی طرف جانے سے بچا سکتی ہے۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ائمہ علیہم السلام کی سیرتوں پر نہ صرف یہ کہ اُردو زبان میں بلکہ فارسی اور عربی زبانوں میں بھی تحقیقی کتابیں موجود نہیں ہیں۔ جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے مندرجات پر تحقیق کرکے اچھی کتابیں تحریر کی جا سکتی ہیں، ایسی ہی ایک کوشش میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ پر کتاب لکھ کے کر چکا ہوں اور اب اس سلسلے کی یہ دوسری کاوش قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں —— اس راہ میں مجھے کس قدر دشواریاں پیش آئی ہیں اس کا اندازہ آپ "مقدمۂ کتاب" کا مطالعہ کرکے لگا سکتے ہیں۔

میں حسنِ معظم، استاذِ مکرم حضرت علامہ مفتی سید نصیر الاجتہادی مدظلہ العالی متع اللّٰہ المسلمین بطول بقاءہ الشریف کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ہر علمی مشکل میں انھوں نے میری رہنمائی فرمائی اور انتہائی مصروفیت کے باوجود اس کتاب پر گرانقدر تقریظ تحریر فرمائی۔ نیز میں حسنِ معظم جناب ایس۔ ایم آغا صاحب کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے تعاون اور اہتمام سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ آخر میں میں قارئین کرام سے گزارش کرتا ہوں کہ اس کتاب کو ملاحظہ فرمائیں اور امام علیہ السلام کی زندگی کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کریں اور احقر مصنف کو لغزشوں سے آگاہ کریں۔

والسلام مع الاکرام : سید محسن مظفر نقوی

۷ر دسمبر ۱۹۸۳ء

تقریظ

استاذنا المکرم صدر العلماء حضرت علامہ مفتی سید نصیر الاجتہادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وآلہ الطیبین الطاہرین

یوں تو امامت کے بارے میں گفتگو کے لئے بہت سے موارد و مواطن طرق و شعب ہیں لیکن تقریب ذہن کے لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سلسلۂ امامت درحقیقت ایک سلسلۂ علم و عقل ہے جس کا مرکز و منبع ہدایاتِ ربانی ہے، ظاہر ہے کہ خدا کا تعلق قرآن سے ہے، رسولؐ کا تعلق بیان سے ہے اور ائمہ (علیہم السلام) کا تعلق تحفظِ بیان و تبلیغِ بیان سے ہے تاکہ علم خداوندی کی ترویج و اشاعت کسی مرحلے پر معطل و منقطع نہ ہو جائے، اس میں خاندان و دودمان کا مسئلہ عصبیتِ جاہلیہ کا اعادہ نہیں ہے بلکہ دعوتِ ذریتی تمنائے ابراہیمی سے مسلسل ہے جو موردِ اعتراض میں نہیں آسکتا۔ اگر اتفاق سے کسی ایک ہی خاندان میں پندرہ بیس عالم پیدا ہو جائیں تو موردِ قدح نہیں بلکہ یہ تفضل و عنایت ربانی منزلِ مدح و شکر ہے، مطلب تو یہ ہے کہ امت کے لئے کسی مرحلے پر بیانِ قرآن کے لئے مسئول غیر ناطق کے بجائے خطاب فرمائے۔ سلونی مل جائے تو اتممت علیکم نعمتی کی صحیح ترجمانی ہے، کیونکہ مقصودِ ارسالِ رسل و تنزیلِ کتب تو تبلیغ ہی ہے اور مسلسل تبلیغ "فلیبلغ الشاہد الغائب" حاضر کا کام غائب تک پہنچانا ہے۔ یہ جہاں سے بھی حاصل ہو اور جیسے بھی حاصل ہو، ہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ سلسلہ تاریخ و احادیث کے لحاظ سے مستند و معتمد ہے یا نہیں، اگر ملتِ اسلامیہ کا اجماع ہو جائے کہ یہ سلسلۂ طیبہ طہارت کی لڑی ہے اور ہر فرد عصمت کی کڑی ہے تو پھر ان سے بہتر کون ہے جس سے علم لیا جائے، حدیث لی جائے، قرآن لیا جائے۔

زیرِ نظر کتاب امام محمد تقی علیہ السّلام جو اس سلسلۂ طیبہ کی نویں کڑی ہیں، مولوی سید محسن مظفر نقوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی مؤلفانہ کاوشِ قلم کا نتیجہ ہے اور ان کی کمسنی اور تجربے کی کمی کو دیکھتے ہوئے اس تالیف کی تعریف نہ کرنا مشکل کام ہے۔ یہ ہمت افزائی اس لئے بھی ضروری ہے کہ دوسرے نوجوان بھی اس طرف قدم اٹھائیں۔ اس کتاب کی تالیف میں جو محنت و کاوش کی گئی ہے وہ عام طور پر مؤلفین کے یہاں مفقود ہے، ضرورت یہ ہے کہ قلم بقدرِ وسیع اطراف و جوانب پر نظر ڈالے۔ اب اگر اس میں کسی جگہ پر غلطی ہو جائے تو وہ قابلِ معافی یا اصلاح پذیر ہو سکتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ محسن مظفر سلمہ اپنے مطالعہ کو وسیع تر کرتے رہیں گے اور مسلسل لکھتے رہیں گے کیونکہ لٹریچر کی کمی ہمارے یہاں تکلیف دہ حد تک ہے، اللہ ان کے توفیقات میں اضافہ کرے اور ان کے قلم میں مضمر شاہکار کسی وقت مستقبل میں طلوع ہو سکے جس کے دیکھنے کے لئے بہت سی نگاہیں منتظر ہیں۔

خادم الشریعۃ

سید نصیر الاجتہادی

مُقَدَّمَہ

آئمہ علیہم السّلام کی سوانح حیات لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمرانوں نے جن علماء سے کتابیں لکھوائی ہیں وہ حکومتوں کے تعلقات اور اندرونی بغاوتوں کے تذکروں تک محدود ہیں علمی و فکری ترقی کا تذکرہ ان کتابوں میں برائے نام ہے۔ ان کتابوں میں بالعموم علماء و مفکرین کا تذکرہ نہیں کیا گیا اگر علماء کے واقعات آئے بھی ہیں تو صرف وہ واقعات آئے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی نوعیت سے دربارِ شاہی سے ہے۔ ائمہ علیہم السلام کی پاک و پاکیزہ زندگیوں پر لکھنے کے لئے جس قسم کی مطبوعہ کتابیں ہم تک پہونچی ہیں انکی تفصیل یہ ہے:

۱۔ کتبِ تاریخ

تاریخِ اسلام پر لکھی جانے والی سب سے اہم کتاب طبری کی تاریخ "الامم والملوک" ہے جو ۱۳ جلدوں میں مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ طبری ہر واقعہ کا سلسلۂ سند بھی درج کرتے ہیں جس کی وجہ سے درست و نادرست روایت میں تمیز کرنا آسان ہو جاتا ہے، سلسلۂ سند کو درج کرنا طبری کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی کیونکہ وہ محدث تھے اور ہر روایت کے ساتھ اس کا سلسلۂ نسب درج کرنا ان کا معمول تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ طبری سے بہتر تاریخ اب تک نہیں لکھی گئی۔ طبری کے علاوہ تاریخ کی دوسری اہم کتابیں مسعودی کی "مروج الذہب"، ابنِ اثیر کی "الکامل فی التاریخ"، ابنِ کثیر کی "البدایۃ والنہایۃ"، ابن عماد حنبلی کی "شذرات الذہب" وغیرہ ہیں۔ ان کتابوں میں امام علی رضا علیہ السلام تک کا تذکرہ تو مل جاتا ہے لیکن باقی چار ائمہ علیہم السلام کے بارے میں یہ کتابیں بالکل خاموش ہیں۔ عربی کی مختصر تاریخوں میں تاریخ یعقوبی اور تاریخ الخلفاء بھی اچھی تاریخیں ہیں لیکن ان میں بھی بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ دوسرا بڑا نقص (طبری کے علاوہ) ان تمام کتابوں میں یہ ہے کہ یہ کتابیں سلسلۂ سند بیان نہیں کرتیں جس سے روایت کو جانچنے میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ تذکرہ کی کتابیں

تذکروں پر مشتمل جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں معارف ابن قُتیبہ، حلیۃ الاولیاء، میزان الاعتدال وغیرہ شامل ہیں اِن میں تفصیلی تذکرے مفقود ہیں۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ کی ایک اہم کتاب "الارشاد" ہے۔ اس میں بھی روایات کا پورا سلسلۂ سند بیان نہیں ہوا ہے۔ اس میں شروع میں ائمہ علیہم السّلام کے تذکرے تفصیل سے کئے گئے ہیں، لیکن بعد کے ائمہ (خاص طور پر امام جعفر صادق علیہ السّلام کے بعد) کے متعلق اختصار سے کام لیا گیا ہے جس کی وجہ سے اہم معلومات متنِ کتاب نہیں بن سکیں۔ بعض مقامات پر تسامح بھی ہوا ہے۔ بہرحال یہ کتاب معتبر سمجھی جاتی ہے اور ماخذوں میں شمار ہوتی ہے۔

علامہ طبرسیؒ نے اعلام الوریٰ میں ائمہ علیہم السلام کا تذکرہ کیا ہے لیکن یہ کتاب بہت زیادہ نفع بخش نہیں ہے اور کافی مختصر ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے جلاء العیون میں ائمہ علیہم السلام کا تذکرہ کیا ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ یہ کتاب بھی اہم اور ضروری تفصیلات سے خالی ہے۔ آغاز میں کافی تفصیل ہے بعد میں تکلیف دہ حد تک اختصار ہے، یہ کتاب بھی ماخذوں میں شمار ہوتی ہے اور کافی حد تک نفع بخش بھی۔ علامہ مجلسیؒ سے بعض مقامات پر تسامح ہوا ہے۔ اس کتاب میں بھی دوسری کتابوں کی طرح سلسلۂ سند درج نہیں لیکن علامہ مجلسیؒ کی تصنیف ہونے کی وجہ سے مستند تصور کی جاتی ہے۔ علامہ مجلسیؒ کی ایک اور مشہورِ عالم کتاب "بحار الانوار" بھی ہمارے سامنے رہی ہے لیکن اس میں سے کام کی روایت نکالنا بہت دِقّت طلب کام ہے کیونکہ علامہ مجلسیؒ نے اس میں رطب و یابس سب ہی کچھ درج کر دیا ہے۔ ہم نے اس میں سے نہایت چھانٹ پھٹک کر روایات لی ہیں۔

ہم نے دو اور کتابوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے جن میں سے ایک کتاب ہاشم معروف الحسینیؒ کی "سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر" ہے، اور دوسری علامہ محسن الامینؒ کی "اعیان الشیعہ" ہے لیکن ان کتابوں کا نقص یہ ہے کہ ان کے ماخذ تو بہت عمدہ ہیں لیکن جلد نمبر اور صفحہ نمبر وغیرہ درج نہیں کیا ہے صرف کتاب کا نام لکھ دیا ہے اسی وجہ سے ہمیں اکثر اصل کتاب کی طرف رجوع کر کے واقعہ تلاش کرنا پڑا ہے اور اس کا وہاں پر حوالہ بھی دے دیا ہے۔

ایک اور اہم کتاب فارسی میں لکھی جانے والی "منتہی الامال" ہے جس کے مصنف شیخ عباس قمیؒ ہیں، یہ بہت عمدہ کتاب ہے لیکن مکمل حوالہ مع جلد نمبر اور صفحہ نمبر اس میں بھی درج نہیں ہے۔ بہر حال یہ مستند کتاب ہے۔

اب ہم روئے سخن ان کتابوں کی طرف موڑتے ہیں جو ہمارے جلیل القدر علماء نے اردو میں تصنیف فرمائی ہیں۔

اردو زبان میں ہمارے محدود مطالعہ کی حد تک، ائمہ علیہم السلام کے سوانح پر قلم اٹھانے والے پہلے شخص حضرت مولانا مظہر حسن سہارنپوری ہیں۔ آپ ۱۸۸۳ء میں سہارنپور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں وفات پائی۔ آپ نے حضرت علی علیہ السلام کی سوانح عمری "تہذیب المتین" کے نام سے تحریر فرمائی، امام جعفر صادق علیہ السلام کی سوانح عمری "کشف الحقائق" کے نام سے لکھی اور "العقد الناظم" کے نام سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اور "لمعۃ الضیاء" کے نام سے امام علی رضا علیہ السلام کی مفصل سوانح عمریاں لکھیں، ان کے علاوہ امام حسین اور امام زین العابدین علیہما السلام کی سوانح عمریاں بھی لکھیں۔ آپ نے ایک کتاب "تاریخ الائمہ" کے نام سے لکھی تھی، یہ تمام کتابیں بہت اعلیٰ معیار کی لیکن ان کتابوں کے حوالے پورے نہیں دیئے گئے ہیں جیسا کہ پرانے زمانے میں دستور تھا۔

مولانا مظہر حسن سہارنپوری کے بعد اس موضوع پر طویل کام جناب اولاد حیدر فوق بلگرامی نے کیا۔ آپ نے تمام ائمہ کی سوانح حیات لکھیں، مرحوم کی کتابوں میں بہت سے تسامحات ہیں لیکن ان میں اہم ترین یہ ہے کہ عموماً عربی کی عبارتیں اغلاط سے پُر ہیں، ان کا اردو ترجمہ بھی زیادہ ذمہ داری سے نہیں کیا گیا اور کتابوں کے حوالے بھی ناقص ہیں۔

اس موضوع پر چند مختصر رسالے میرے جد حضرت علامہ ہندی اعلی اللہ مقامہ نے بھی تحریر کئے ہیں جو ماخذ نہیں بن سکتے۔

سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ نے بھی ائمہ علیہم السلام کی سیرت پر مختصر کتابیں تحریر کی ہیں جو بعد میں "رہنمایانِ اسلام" کے نام سے مجموعہ کی صورت میں شائع ہوئی ہیں اور مستند کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔

"تاریخ الائمہ" کے نام سے ایک کتاب جناب مولانا سید علی حیدر صاحب مرحوم نے لکھی ہے جس میں شروع میں کافی تفصیل ہے، بعد میں اختصار ہے، بعض باتیں علامہ شبلی نعمانی سے غلط منسوب کردی ہیں لہٰذا اس سے کچھ اخذ کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ نے بھی چند ائمہ طاہرین کی سیرت پر کتابیں لکھی ہیں لیکن غالباً اپنی پیرانہ سالی کے باعث کتابت کے بعد خود تصحیح نہیں فرما سکے جس کی وجہ سے اغلاط رہ گئیں اور نقل و ضبط کے اصول بھی برقرار نہ رہ سکے۔

مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی نے بھی چند ائمہ کی سوانح عمریاں لکھی ہیں، امام محمد تقی علیہ السلام کی سوانح حیات میں انھوں نے اعیان الشیعہ کے حوالے دیئے ہیں وہ کئی مقامات پر اصل کتاب سے مطابقت نہیں رکھتے۔

مولانا نجم الحسن صاحب کراروی مرحوم نے "چودہ ستارے" کے نام سے ایک کتاب "چہاردہ معصومین" کے سوانح حیات پر لکھی ہے جس میں جا بجا علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ

کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، لیکن بعض مقامات پر اس میں حوالے ناقص ہیں۔

اس مختصر جائزے کے بعد ہم چند اور اہم باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں:۔

۱۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس طرز کی بنا ڈالی ہے کہ مورخین سے سیرت میں جو فروگذاشتیں ہوئی ہیں انھیں احادیث کے ذریعہ دور کیا جائے۔ چنانچہ اسی وجہ سے میں نے یہ کتاب لکھتے وقت ہر لمحہ "الاصول من الکافی" کو مدنظر رکھا ہے۔ اس میں احادیث اور روایات کی پوری پوری سندیں بیان ہوئی ہیں جن کی مدد سے روایات کی جانچ پڑتال اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ اس عمل کے ذریعہ کبھی تو کسی واقعہ کی نفی ہو جاتی ہے اور وہ بے اصل ثابت ہو جاتا ہے، کبھی واقعات میں تسلسل قائم کرنے میں مدد ملتی ہے اور کبھی واقعہ کی اہم تفصیلات سامنے آجاتی ہیں۔ ہم نے "الکافی" سے ہر روایت نہیں لی بلکہ ہر طرح پرکھ کر روایت لی ہے۔ یہ بات غالباً شیعہ اردو لٹریچر میں پہلی بار آئی ہے۔

۲۔ ائمہ علیہم السلام کی طرف بہت سے معجزات بھی منسوب ہیں، ان میں سے بیشتر وہ ہیں جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں اور تواریخ میں ان کا کوئی وجود نہیں ملتا، اکثر معجزات راویوں کے خود ساختہ ہیں اس لئے ہم نے انھیں درج نہیں کیا۔ جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ معجزات کی کتابیں پڑھ سکتے۔

ہمیں ایک بات نے بہت پریشان کیا وہ یہ ہے کہ بعض کتابیں ہمارے سامنے قدیم حجری چھاپ کی رہی ہیں۔ مثلاً "بحار الانوار" ان کتابوں میں صفحہ نمبر وغیرہ درج نہیں ہوتا تھا لہٰذا ہم نے روایات تو لے لی ہیں لیکن حوالہ ہم صرف اسی قدر دے سکے ہیں جتنا کہ ممکن ہو سکا۔ آپ کو جہاں کسی کتاب کا حوالہ ملے اور صفحہ نمبر نہ ہو تو سمجھ لیں کہ اس کتاب کا حجری چھاپہ ہمارے سامنے رہا ہے۔ آخر میں ہم تمام صاحبانِ علم سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر کہیں کوئی غلطی کتاب میں دیکھیں تو مطلع فرما کر شکر گذاری کا موقع عطا کریں۔

خادم العلماء ۔ سید محسن مظفر نقوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

اَلْاِمَامُ مُحَمَّدُ النَّقِیُّ بْنِ عَلِیِّ الرِّضَا الْجَوَادُ عَلَیْہِمَا السَّلَامْ

یہ کتاب سلسلۂ امامت کی نویں کڑی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے سوانح اور تعلیمات پر روشنی ڈالنے کی ایک حقیر سعی کوشش ہے۔ امام علی رضا علیہ السّلام کی سیرت پر جو کتاب میں نے "الرضاؑ" کے نام سے لکھی ہے ـــ اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے صرف ایک ہی صاحبزادے تھے جن کا نام محمدؑ اور لقب "تقی" تھا۔ امام علی رضا علیہ السلام جب مدینہ سے خراسان مامون کی طلبی پر روانہ ہوئے تو اس وقت امام محمد تقیؑ کی عمر صرف پانچ سال تھی لیکن آپؑ کے والد ماجدؑ نے امور و اسرار امامت آپؑ ہی کے سپرد فرمائے۔ اس کا تذکرہ مناسب موقع پر آئے گا، ذیل میں آپؑ کی حیاتِ طیبہ کا مختصر خاکہ پیش کیا جا تا ہے۔

اسمِ مبارک ـــ آپ کا اسمِ مبارک محمد بن علی الرضا تھا (علیہما الصلاۃ والسّلام)

آپکے والدِ محترم ـــ آپکے والدِ محترم امامِ ہشتم علی الرضا علیہ السلام تھے۔

آپ کی والدۂ محترمہ ـــ مورخین نے آپ کی والدۂ محترمہ کے مختلف نام بتائے ہیں، کسی نے ان کا نام سکن المریسیۃ کسی نے سبیکۃ کسی نے نوبیۃ اور کسی نے سکینہ بتایا ہے۔ بعض علماء نے خیزران اور بعض نے درۃ بھی لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام آپ کو خیزران کہا کرتے تھے اور کبھی "ریحانۃ" بھی کہتے تھے، یہ عفت مآب خاتون ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھیں اور آپ کی کنیت ام الحسن تھی۔[۱]

---

[۱] اعیان الشیعۃ جلد ۴ حصہ دوم صفحہ ۱۲۱۔ منتہی التواریخ صفحہ ۱۳۷۔ واضح ہو کہ اعیان الشیعہ کی اس جلد کا حوالہ آئندہ ۲/۴ کے اشارے سے دیا جائے گا۔

امام محمد تقی علیہ السّلام کی ولادتِ باسعادت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت ۱۴۸ھ میں ہوئی تھی، یہ ذیقعدہ کا مہینہ تھا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کی عمر ۴۷ سال تھی۔ امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت ۱۹۵ھ میں ہوئی۔ اصحابِ سیر اور تذکرہ نگاروں کے مابین تاریخ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ علامہ کلینیؒ نے "الکافی" میں شبِ جمعہ ۱۲ رمضان ۱۹۵ھ تحریر کیا ہے [۱]۔ شیخ عباس قمی نے ابنِ عیاش احمد بن محمد جوہری کے حوالے سے ۱۰ رجب لکھی ہے [۲]۔ شیخ طوسیؒ نے مصباح المتہجد میں اور محمد حسین المظفری نے تاریخ الشیعۃ کے حاشیہ پر یہی قول اختیار کیا ہے [۳]۔ گو کہ اور اقوال بھی ہیں لیکن بین المتقدمین والمتاخرین یہی قول راجح سمجھا گیا ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام کی مامون کی بیٹی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور امام محمد تقی علیہ السلام کی والدہ ام الولد تھیں، یہ وہ وقت تھا کہ امام علی رضا علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی اور لوگ آپ سے آپ کے جانشین کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور آپ کو لاولد ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ شیخ کلینیؒ نے الکافی میں متعدد روایات اس نوعیت کی نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

" حسین بن بشار کتب ابن قیاما الی ابی الحسن الرضاؑ کتابا یقول فیہ کیف تکون اماما و لیس لک ولد فاجابہ ابوالحسن شبہ المغضب وما علمک انہ لا یکون لی ولدٌ واللہ لا یمضی الایام

---

[۱] الکافی جلد اول صفحہ ۴۹۲ طہران

[۲] منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۲۷۰

[۳] مصباح المتہجد بحوالہ اعیان الشیعہ ۲/۳ صفحہ ۱۶۱، حاشیہ تاریخ الشیعہ صفحہ ۵۵

واللیالی حتیٰ یرزقنی اللہ ولداً ذکراً یفرق بہ بین الحق والباطل۔ [1]

حسین بن بشار سے روایت ہے کہ ابن قیاما نے ابوالحسن الرضاؑ کو خط لکھا اور اس میں کہا کہ آپ کیسے امام ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ امامؑ نے غضبناک حالت میں جواب لکھا کہ تو کیا جانتا ہے کہ میرا کوئی بیٹا نہ ہوگا قسم بخدا چند دن نہ گزریں گے کہ اللہ مجھے ایک بیٹا دے گا جس کے ذریعے اللہ حق و باطل میں فرق کرے گا۔

چنانچہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور ۱۰ رجب ۱۹۵ھ کو امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ سب سے کمسنی میں عہدۂ امامت پر فائز ہوئے۔

امام محمد تقی علیہ السلام کی امامت پر نص

درج بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے آپ کی پیدائش سے قبل ہی آپؑ کے امام ہونے کی وضاحت کر دی تھی۔ جس وقت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر صرف ۳ یا ۴ سال ہوئی تو امام علی رضا علیہ السلام نے آپ پر نص کی۔

علی بن اسباط سے روایت ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام میرے سامنے تشریف لائے تو میں نے آپؑ کے سراپا کو غور سے دیکھا تاکہ مصر جاکر اپنے ساتھیوں سے بیان کر سکوں، میں ابھی غور کر رہا تھا کہ حضرتؑ میرے سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا اے علی بن اسباط خدا نے امامت میں بھی وہی معیارِ حجت رکھا ہے جو کہ نبوت میں رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے واٰتیناہ الحکم صبیا (مریم - ۱۲) ہم نے اپنا حکم بچپن

---

[1] اصول الکافی جلد اول کتاب الحجۃ باب ۷۱ صفحہ ۳۲۰ حدیث ۴

اس کو بچپن ہی میں دے دیا اور دوسری جگہ نبوت کے بارے میں فرمایا ہے" ولما بلغ اشدہ " نیز " وبلغ اربعین سنۃ " (احقاف ۱۵) اور جب وہ پوری قوت والا چالیس برس کا ہوگیا۔ پس یہ بھی جائز ہے کہ اپنا حکم بچپن میں سپرد کردے اور یہ بھی کہ چالیس سال کی عمر میں سپرد کردے۔ [۱]

علی بن اسباط فرقۂ فطحیہ سے تعلق رکھتے تھے[۲]۔ علامہ مامقانی نے انھیں ثقہ لکھا ہے[۳] یہ اپنے والد سے بھی روایت کرتے ہیں۔

اصول الکافی ہی میں ابی یحییٰ الصنعانی کی روایت ہے کہ میں امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس حضرت ابو جعفر امام محمد تقیؑ لائے گئے، آپؑ نے فرمایا یہ وہ بچہ ہے جس سے زیادہ برکت والا ہمارے پیروؤں کے لئے کوئی نہیں، اور صفوان بن یحییٰ سے روایت ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام کی پیدائش سے قبل میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ آپؑ کے بعد امام کون ہوگا؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ خداوند مجھے لڑکا عنایت کرے گا چنانچہ اس نے عطا کیا جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں پس خدا ہمیں آپ کی موت کا دن نہ دکھائے، اگر ایسا ہو تو آپ کے بعد امام کون ہوگا۔ آپؑ نے ابو جعفر محمد تقی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا یہ تو تین ہی برس کے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے جناب عیسیٰ تین ہی برس کے حجت خدا تھے[۴]

خیرانی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں خراسان میں امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے امامؑ سے دریافت کیا کہ اگر آپ کی موت واقع

---

[۱] اصول الکافی جلد اول صفحہ ۳۳۹، باب ۱۲۰ کتاب الحجۃ ح ۳
[۲] رجال الکشی صفحہ ۲۹۴ طبع کربلا
[۳] تنقیح التنقیح صفحہ ۱۰۵، رقم المسلسل ۸۱۷۲ / عہ یوسف ۱۲ القرآن
[۴] اصول الکافی کتاب الحجۃ صفحہ ۳۲۱۔ جلد ۱، باب ۷۱

ہو جائے تو آپ کے بعد امام کون ہوگا؟ آپؑ نے فرمایا ابو جعفر میرا بیٹا میرے بعد امام ہوگا۔ سوال کرنے والے کو حضرتؑ کی صغر سنی کا خیال ہوا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو انتہائی کم سنی کے عالم میں رسول، نبی اور صاحب شریعت بنا کر بھیجا تھا اور ان کا سن ابو جعفر کے سن سے کم تھا [۱]

واضح رہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی کنیت بھی ابو جعفر ہے اس لئے محدثین ان دونوں اماموں میں امتیاز کے لئے امام محمد تقی علیہ السلام کو ابو جعفر ثانی کہتے ہیں [۲]

آپ کی صفات اور حلیہ

امام محمد تقی علیہ السلام کی صفات کا اندازہ اُن کے القاب سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کے مشہور القاب یہ ہیں :۔

۱۔ الجواد : یعنی سخی۔ یہ لقب اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ بہت سخی تھے۔ آپ کے اس لقب کو خاص شہرت حاصل ہے۔ بعض اوقات حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو امام جواد بھی کہا جاتا ہے، یعنی یہ لقب مثل اسمِ ذات کے ہو گیا ہے۔

۲۔ القانع : یعنی قناعت کرنے والا، اپنے نفس پر راضی رہنے والا شخص۔

۳۔ المرتضیٰ :۔ برگزیدہ، چنا ہوا، پسندیدہ۔

۴۔ النجیب : جوانمرد، بہادر، شریف، عالی ذات۔

۵۔ النقی : پرہیزگار، گناہوں سے کنارہ کش اور اُن سے نفرت کرنے والا۔

آپؑ گورے اور معتدل القامت تھے (الفصول المہمہ) آپ شدید الادمہ تھے (مناقب ابن شہر آشوب)

---

[۱] اصول الکافی کتاب الحجت جلد اول، باب ۱۷، صفحہ ۳۲۲ پر ۱۳

[۲] اعیان الشیعہ ۴/۲ صفحہ ۱۶۱

آپ کا علم و فضل

شیخ مفید علیہ الرحمہ اپنی کتاب "الارشاد" میں لکھتے ہیں کہ۔

وکان المامون قد شغف بابی جعفر علیہ السّلام لما رای من فضلہ مع صغر سنہ وبلوغہ فی العلم والحکمۃ والادب وکمال العقل مالم یساوہ فیہ احد من مشائخ اھل الزمان فزوجہ ابنتہ ام الفضل و حملھا معہ الی مدینۃ وکان متوفرا علی اکرامہ وتعظیمہ واجلال قدرہ لہ[1]

یعنی جب اس چھوٹی سی عمر میں مامون نے ابوجعفر علیہ السلام کا فضل اور علم، حکمت، ادب میں اُن کا بلوغ اور عقل کے کمال کا مشاہدہ کیا جس میں اُس زمانے کے مشائخ میں سے کوئی ان کا ہمسر نہ تھا تو وہ آپؑ کا گرویدہ ہوگیا اور اس نے اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی آپؑ سے کر دی اور اُسے آپؑ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ وہ آپ کا بہت اکرام و تعظیم کرتا تھا اور بہت قدر و منزلت دیتا تھا۔

آپؑ کا لباس

شیخ محمد یعقوب الکلینیؒ نے "کافی" میں اپنی سند سے امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ "ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خز اور یمنی چادر پہنتے ہیں"[2] اور شیخ صدوقؒ نے اپنی سند سے علی بن مہزیار سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کو فرض اور دیگر نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور آپ خز کا جُبّہ پہنے ہوئے تھے، یہ جُبّہ خز طاروی یا خز کسانی کا ہوتا تھا، وہ کہتے ہیں کہ آپؑ نے مجھے بھی اسی کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم دیا[3] خز ایک طرح کا کپڑا ہوتا ہے۔

لہ الارشاد۔ صفحہ ۳۵۲

کہ بحوالہ اعیان الشیعہ ۲/۴ صفحہ ۱۶۲

کہ " " " "

آپ کی نشست

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ عموماً چٹائی پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ لیکن بعض روایات میں کرسی پر بھی جلوہ افروز ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔ وہ ماحول بڑا پُر جلال اور مقدس ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں خیران یا جران قراطیسی کا واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ خیران قراطیسی حضرتؑ کے غلام تھے جن کو بعد میں آزاد کر دیا گیا تھا۔

خیران قراطیسی حج کر کے مدینہ آئے معلوم ہوا کہ حضرت امام محمد تقیؑ ایک دکان میں کھڑے ہیں۔ میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک غلام دوڑ کر مُصلّےٰ لایا اور آپؑ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ خیران کہتے ہیں کہ حضرتؑ کی وہ ہیبت اور جلال تھا کہ میرے حواس قابو میں نہ تھے۔ آپؑ دکان میں مُصلّےٰ پر تشریف فرما تھے، میں ملنے کا اتنا مشتاق تھا کہ مجھے اوپر چڑھنے کے لئے زینے کا بھی خیال نہ رہا اور بغیر زینے کے چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ حضرتؑ نے دیکھا تو فرمایا کہ زینے کی طرف سے آؤ۔ میں کسی طرح چڑھا، آپ کو سلام کیا۔ حضرت نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے حضرت کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا۔ حضرت نے دستِ مبارک سے بٹھایا۔ میں اتنی دیر تک آپ کا ہاتھ تھامے رہا کہ میرے دل کو سکون ہوا اور میری دہشت کم ہوئی[۱]۔

آپ کے عہد کے سیاسی حالات و حوادث

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے مامون اور معتصم کا زمانہ پایا۔ جس وقت مامون نے آپؑ کے والدِ ماجد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مدینہ سے خراسان بلوایا تو حضرتؑ کی عمر صرف

---

[۱] بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۰۔ تحفۃ الاحباب صفحہ ۸۸۔ سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲، صفحہ ۴۵۸۔ رجال الکشی صفحہ ۵۰۷۔

۵ سال تھی اور آپ کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے اس فرزند ارجمند کو اپنے ساتھ لے گئے تھے مگر میری تحقیق کے مطابق یہ درست نہیں ہے۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہے اور جن حضرات نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے وہ ایک واقعہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ دراصل بات یہ ہے کہ مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو خراسان بلوایا تو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنی بیٹی ام حبیب کی تزویج حضرت سے کر دی تھی اور اسی موقع پر آپ کے صاحبزادے امام محمد تقی علیہ السلام کی تزویج اپنی بیٹی ام فضل سے کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا[عہ] (دیکھو شذرات الذہب ابن عماد جلد ۲ صفحہ) جس کی تفصیلی بحث میں نے اپنی کتاب "سیرت الامام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام" میں لکھی ہے۔ اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ مامون نے ام فضل کی بھی تزویج کر دی تھی، اسی وجہ سے انہیں امام محمد تقی علیہ السلام کو وہاں موجود ماننا پڑا ہے جو کہ خلافِ واقعہ ہے۔

جس سال آپ پیدا ہوئے اسی سال امین اور مامون میں جھگڑا شروع ہوا تھا۔ بغداد میں امین نے مامون کو اور خراسان میں مامون نے امین کو معزول کر دیا تھا۔ اس کی تفصیل ہم حضرت امام علی رضاؑ کی سوانح میں لکھ چکے ہیں یہاں دہرانے کی حاجت نہیں اور اسی سال دمشق میں سفیانی نامی ایک شخص نے شورش برپا کی۔ ۱۹۶ھ میں تیونس کے خود مختار گورنر بنی عباس عبداللہ اوّل نے ریاست کی گدی سنبھالی، یہ سلطنتِ اغالبہ کا دوسرا حکمران تھا۔ ۱۹۷ھ میں مامون نے بغداد کا محاصرہ کر لیا تھا جس کے نتیجہ میں ایک سال تک مسلسل دونوں بھائیوں امین اور مامون میں جنگ ہوتی رہی اور بالآخر ۱۹۸ھ امین کلی طور پر معزول ہو گیا اور مامون کو خلیفہ مان لیا گیا[۱] طاہر ذوالیمینین نے جو مامون کا سپہ سالار

---

[۱] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۳۰۷۔ [عہ] شذرات الذہب ابن عماد حنبلی جلد ۲ صفحہ ۳

تھا امین کا سر کاٹ کر مامون کے پاس بھیج دیا تھا۔ سُفیان بن عُیَیْنَۃ نے جو کہ حجاز کے محدث تھے ۱۹۸ھ میں انتقال کیا۔ لے

۱۹۹ھ میں جبکہ امام علیہ السلام کی عمر صرف ۴ سال تھی، مدینہ میں ایک واقعہ رونما ہوا، دراصل یہاں علویوں کا زور بڑھتا چلا جارہا تھا چنانچہ ۱۹۹ھ سری بن منصور الشیبانی نے محمد بن ابراہیم طباطبا کو حکومت کے لئے آمادہ کیا۔ ۱۰رجمادی الاول کو کوفہ میں ان کی بیعت کی گئی، حاکم کوفہ کا نام فضل بن عباس تھا وہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا اور مدینہ پہونچا۔ منصور شیبانی تاریخ میں ابوالسرایا کے نام سے زیادہ معروف ہے۔ محمد طباطبا اسی مقابلے میں قتل ہوا اور ابوالسرایا نے محمد بن محمد بن زید کو نامزد کیا۔ اس نے مختلف علاقوں میں اپنے عمال و حکام بھی بھیجنا شروع کئے چنانچہ ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو یمن میں زید بن موسیٰ بن جعفرؑ کو اہواز میں۔ عباس بن محمد بن عیسیٰ کو بصرہ میں۔ حسن بن حسن افطس کو مکہ میں محمد بن اسماعیل کو مدائن میں اور جعفر بن محمد بن زید اور حسن بن ابراہیم کو واسط میں متقرر کیا گیا۔

محرم کا مہینہ اور ۲۰۰ھ تھا۔ امام علی رضا علیہ السلام کے چچا نے جن کا نام محمد بن جعفر الصادق تھا مدینہ میں خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ٢ے

۲۰۰ھ کا سب سے المناک حادثہ اور واقعہ یہ تھا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مامون نے خراسان طلب کیا۔ اس وقت امام محمد تقیؑ کی عمر صرف ۵ سال تھی، اس چھوٹی سی عمر میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنے والد گرامی قدر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سایۂ عاطفت سے بہت دُور ہو گئے۔ گو کہ آپ کے والد گرامی قدر کے نام کا سکہ چلتا تھا اور وہ نامزد ولی عہد المسلمین تھے۔

لے تاریخ الخلفاء سیوطی ۲۳۳

٢ے ان تمام واقعات کے لئے دیکھئے مروج الذہب جلد ۴ ص ۳ ۔ ابن الاثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۳ ...

لیکن یہ ہاتھی کے دانت تھے جو کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اور۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام باوجود خورد سالی کے ان امور سے آگاہ تھے جو پیش آنے والے تھے، آپؑ کو معلوم تھا کہ ان کے والدِ محترم اب کبھی مدینہ واپس تشریف نہیں لائیں گے کیونکہ مدینہ سے رخصت ہوتے وقت وہ کہہ گئے تھے" اما انی لا ارجع الیٰ عیالی ابداً" اچھا خدا حافظ میں اب کبھی اپنے عیال کے پاس واپس نہ آؤں گا۔ [1]

آپؑ کے والدِ ماجد حضرت امام علی رضا علیہ السلام مامون کے بلاوے پر خراسان تشریف لے گئے اور آپ مدینہ میں اکیلے رہ گئے (اس کی پوری تفصیل میں نے اپنی کتاب سیرت امام علی الرضاؑ میں تحریر کی ہے)۔ ۲۰۳ھ میں آپ کو ایک اور واقعۂ ہائلہ سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی یہ کہ آپ کے والدِ ماجدؑ آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیئے گئے۔ امام علی رضا علیہ السلام کے انتقال کی خبر جب حضرتؑ امام محمد تقی علیہ السلام کو ملی تو آپ بہت غمزدہ ہوئے اور امامت کی ذمہ داریاں پوری کرنے پر تیار ہو گئے۔

آغازِ عہدِ امامت

۲۰۳ھ سے آپ کی امامت کا آغاز ہوتا ہے۔ صحیح ترین روایات کے مطابق آپ کی عمر صرف ۸ سال تھی۔ آپ نے اپنے والدِ محترم کی شہادت کی خبر سنی تو آپ مسجدِ نبویؐ تشریف لے گئے اور اعلانِ امامت کے لئے منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپؑ نے فرمایا:

انا محمد بن علی الرضا ، انا الجواد ، انا العالم بانساب الناس فی الاصلاب ، انا اعلم بسرائرکم وظواهرکم وما انتم صائرون الیه منحنا به من قبل الخلق اجمعین وبعد فناء السماوات والارضین ۔ ولو تظاهر

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۱۔ منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ ۔ اعیان الشیعہ ۲/۴ صفحہ ۱۲۳ ۔

اهل الباطل ودولة اهل الضلال ووثوب اهل الشك لعلمت قولاً منه الاولون والآخرون۔ ثم وضع يده الشريفة على فمه وقال يا محمد! اصمت كما صمت آباؤك من قبل[1]

"میں محمد بن علی الرضا الجواد ہوں۔ میں انسانوں کے اصلاب کے نسب جانتا ہوں۔ میں تمہارے بھیدوں اور ظاہری باتوں کو جانتا ہوں اور میں تمہارے نتائج سے بھی واقف ہوں۔ میرا یہ علم آغازِ تخلیق سے پہلے انتہائے زمین اور آسمان اور فنائے عالم تک محیط ہے، اور اگر میں اہلِ باطل اور گمراہوں کی حکومت اور اہلِ شک کی سرکشی ظاہر کروں تو میں ان سے کہوں گا کہ انھیں میں سے پہلے ایمان لانے والے بھی ہیں اور بعد میں بھی۔" پھر اپنا ہاتھ منہ پر رکھا اور فرمایا "اے محمد! چپ رہ جیسا کہ تیرے آباء تجھ سے قبل چپ رہے۔"

آپ کی پھوپھی کا نام جناب فاطمہ تھا، آپ "معصومۂ قم" مشہور ہیں۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے آپ بہت محبت کرتی تھیں۔ بھائی سے ملنے کے لئے یکہ و تنہا نکل کھڑی ہوئیں۔ مقام ساوہ پر پہونچیں تو بیمار ہوگئیں۔ پوچھا کہ یہاں سے قم کتنی دور ہے۔ بتایا گیا کہ دس فرسخ پر واقع ہے۔ فرمایا کسی طرح مجھے وہاں پہونچا دو۔ آلِ سعد کے رئیس موسیٰ بن خزرج نے انھیں ٹھہرایا اور قم پہونچانے کا بندوبست کیا۔ قم پہونچ کر آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، آپ ۱۷ دن بیمار رہیں۔[2]

---

[1] بحار الانوار، جلد ۱۲، صفحہ ۱۲۵

[2] انوار الحسینیہ، جلد ۴، صفحہ ۵۳

مدینۃ الرسولؐ سے بغداد طلبی

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے ۲۰۳ھ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام مامون کے ہاتھوں شہید ہوئے اور امامت کی ذمہ داری حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے متعلق ہوئی۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد طلب کیا۔ علامہ مجلسیؒ نے اپنی کتاب جلاء العیون میں تحریر کیا ہے کہ "چوں مامون را بعد شہادت علی بن موسیٰ الرضاؑ مردم ہدف طعن و ملامت نمودند میخواست خود را ازآں جرم و خطا بیروں کند وقتیکہ از سفر خراسان ببغداد آمد نامۂ بحضرت جوادؑ نوشت بمدینہ وآں جناب را با عزاز واکرام تمام ببغداد طلبید"۔ [1] "چونکہ مامون کو امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگ ہدفِ طعن و ملامت بنائے ہوئے تھے لہٰذا اس نے چاہا کہ خود کو اس جرم و خطا سے بے تعلق ظاہر کرے۔ جب وہ خراسان سے بغداد آیا تو اس نے حضرتِ جوادؑ کو خط لکھا اور آنجناب کو تمام عزت و اکرام سے بغداد طلب کیا"۔

علامہ مسعودی نے "اثبات الوصیۃ" میں لکھا ہے کہ: لما توفی الرضاؑ وجہ المامون الی ولدہ الجواد فحملہ الی بغداد وانزلہ بالقرب من دارہ و اجمع علیٰ ان یزوجہ ابنتہ ام الفضل وقال سبط ابن الجوزی فی تذکرۃ الخواص انہ لما توفی الرضاؑ قدم ابنتہ ام الفضل قبل وفاۃ ابیہ او بعد وفاتہ [2] "جب امام رضاؑ کا انتقال ہوا تو مامون ان کے صاحبزادے حضرت جوادؑ کی طرف متوجہ ہوا اور انھیں بغداد لے گیا اور اپنے مکان کے قریب ہی ٹھہرایا اور اپنی بیٹی اُم الفضل کی شادی ان سے کرنے کو تیار ہوا اور سبطِ ابن جوزی تذکرۃ الخواص الامۃ میں کہتے ہیں کہ جب امام رضا علیہ السلام کا انتقال ہوا تو مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل

---

[1] جلاء العیون علامہ مجلسیؒ جلد ۲ صفحہ ۲۹۰-۲۹۱۔ [2] اعیان الشیعہ ۲/۴ صفحہ ۱۹۳

کی شادی (امام تقی الجوادؑ) سے کی۔ آپ کے والد کی وفات سے پہلے یا بعد" بعد والی روایت زیادہ درست ہے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "وکان المأمون قد شغف بابی جعفر علیہ السلام لما رای من فضلہ مع صغر سنہ وبلوغہ فی العلم والحکمۃ والادب وکمال العقل مالم یساوہ فیہ احد من مشائخ اهل الزمان فزوجہ ابنتہ ام الفضل وحملها الی المدینۃ وکان متوفراً علیٰ اکرامہ وتعظیمہ واجلال قدرہ۔[1]" مامون نے جب ان کی کم عمری کے باوجود ان کا فضل دیکھا اور علم میں اور حکمت میں اور ادب میں ان رسائی دیکھی اور عقل کا کمال دیکھا جس میں ان کے زمانے کے مشائخ میں سے جن کو کوئی ان کے مساوی نہ تھا۔ پس اس نے اپنی بیٹی ام الفضل کی تزویج ان سے کردی اور اسے ان کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ وہ آپ کی بہت تکریم و تعظیم کرنے والا اور جلالتِ قدر کا معترف تھا۔"

جس وقت مامون نے آپ کو بغداد طلب کیا تھا اس وقت آپ کی عمر صرف ۹ سال کی تھی اور اسی عمر میں مامون آپ کی جلالتِ قدر کا اس قدر معترف تھا۔ جیسا کہ شیخ مفیدؒ کے بیان سے پتہ چلا۔

امام محمّد تقی الجوادؑ کی تزویج

مؤرخین نے حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام کی ام الفضل سے تزویج کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن ہم یہاں اختصار سے کام لیتے ہیں۔ ہم نے بڑی کوشش کی کہ طبری یا الکامل فی التاریخ الابن اثیر میں اس کی کچھ تفصیل مل جائے لیکن ہمیں کامیابی

---

[1] الارشاد صفحہ ۳۵۲

نہ ہوئی۔ البتہ مشہور مؤرخ المسعودیؒ نے اپنی کتاب اثبات الوصیہ میں اور شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب الارشاد میں کچھ نقل کیا ہے۔ اس کو ہم مختصراً پیش کرتے ہیں اور ان کے علاوہ علامہ محسن الامین نے اپنی کتاب اعیان الشیعہ[۱] اور مجالس السنیہ میں اس کی تفصیل دی ہے اس تفصیل کو بخیالِ طول ہم نظر انداز کرتے ہیں[۲] ابنِ حجر نے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ ثُمَّ زَوَّجَهُ فِی ذَالِکَ الْمَجْلِسِ بِنْتَهُ اُمَّ الْفَضْلِ[۳] یعنی بعد میں اسی مجلس میں (جس میں یحییٰ اور امامؑ کا مذاکرہ ہوا) اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح (امامؑ سے) کر دیا۔

علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ " امامؑ نے ام الفضل کا مہر وہی مقرر کیا جو جناب فاطمۃ الزہراؑ کا مہر تھا یعنی ۵۰۰ درہم اور بعد میں امون سے پوچھا کہ کیا تم اس مہر پر اپنی بیٹی کی تزویج مجھ سے کرتے ہو تو اس نے کہا ہاں[۴] اس کے بعد مامون اور امام علیہ السلام نے خطبے پڑھے۔"

مسعودیؒ نے اثبات الوصیہ میں شیخ مفیدؒ کے الفاظ سے علاحدہ الفاظ نقل کئے ہیں لیکن ہمیں اس سے سروکار نہیں ہے۔ ان اختلافات روائی کو علامہ محسن الامین نے المجالس السنیہ میں بیان کیا ہے جیسا کہ خود مؤلفِ موصوف اپنی کتاب اعیان الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں[۵] " وَرِوَایَةُ الْمَسْعُوْدِی فِی اِثْبَاتِ الْوَصِیَّةِ تُخَالِفُ رِوَایَةَ الْمُفِیْدِ فِی الْخُطْبَةِ كَمَا أَشَرْنَا اِلَیْهِ فِی الْمَجَالِسِ السَّنِیَّه" یعنی اثبات الوصیہ (للمسعودی) اور مفیدؒ فی الارشاد میں فرق ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب المجالس السنیہ کی پانچویں جلد میں اشارہ کیا ہے۔

۱۔ اعیان الشیعہ جلد ۲/۴ صفحہ ۱۲۶
۲۔ المجالس السنیہ جلد ۵
۳۔ ابن حجر، صواعق محرقہ صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۱ء
۴۔ الارشاد صفحہ ۳۵۵۔ اعیان الشیعہ ۲/۴ صفحہ ۱۲۶۔ تحف العقول صفحہ ۳۳۴۔ بیروت
۵۔ المجالس السنیہ جلد ۵۔ اعیان الشیعہ ۲/۴ صفحہ ۱۲۶۔

تحف العقول ہماری قدیم ترین کتب میں سے ایک شمار ہوتی ہے۔ اس کے مؤلف ابن شعبہ البحرانی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :-

فاولم المامون واجاز الناس علی مراتبھم اھل الخاصۃ واھل العامۃ والاشراف والعمال واوصل الیٰ کل طبقۃ برأ علی ما تستحقہ[1]

پھر مامون نے ولیمہ کیا اور حسبِ مراتب عام اور خاص، اشراف اور عمال کو نوازا اور ہر طبقہ کو وہ ملا جس کا وہ مستحق تھا۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ "مامون نے تزویج کے بعد حکم دیا کہ عام خاص لوگ اپنے مرتبوں کے مطابق کھڑے ہو جائیں اور الریان سے کہا کہ ہمیں دیر تک ملاحوں کے مشابہ آواز سنائی دیتی رہے اور لہجے اور محاورے بھی انھیں کے ہوں۔ خادمین مصنوعی کشتیاں لے کر چلے جو سونے کی بنی ہوئی تھیں اور ریشم کی رسیوں سے سخت جکڑی ہوئی تھیں اور اوپر تک قیمتی جواہرات سے بھری ہوئی تھیں۔ مامون نے حکم دیا کہ سرسبز و شاداب چھال کی طرح سے اُسے بھر دیا جائے۔ پھر یہ عام لوگوں کے پاس سے گذاری گئیں اور انھوں نے اس کی خوشبو سونگھی۔ پھر دستر خوان بچھائے گئے اور لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر حسبِ مراتب سب میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو لوگ مامون کو مبارکباد دینے آئے اور امامؑ بھی مامون کو مبارکباد دینے تشریف لائے، بعد میں تین بڑے بڑے طبق لائے گئے جو سونے کے تھے اور اس میں مشک و زعفران اور معجون کی گولیاں تھیں اور ان گولیوں کے اندر کاغذ پر عطایا اور انعامات لکھے ہوئے تھے۔ اور زمین کے حصوں کے نام تھے۔ مامون نے حکم دیا کہ مجمعِ عام میں یہ گولیاں پھینکی جائیں جن میں خاص اور عام دونوں ہی شریک ہوں۔ لوگوں نے گولیوں کو لوٹنا شروع کیا اور جس کے حصہ میں جو گولی آئی اس کے حصہ میں وہ جاگیر یا عطیہ بھی آیا جو اس میں درج تھا۔

---

[1] الارشاد صفحہ ۳۵۵

اور مامون نے یہاں تک عطایا دیئے کہ تمام لوگ جو محفل میں شریک تھے غنی ہو گئے۔
مامون ہمیشہ مسکینوں کو صدقہ دیتا رہتا تھا لہ

دراصل یہی فرق تھا جس کی وجہ سے ام الفضل اپنے آپ کو اس تقویٰ اور پرہیزگاری کے ماحول سے اپنے آپ کو مانوس نہ کر سکی، اُدھر مال و دولت کی فراوانی اِدھر دو وقت کی روٹی کی نامیسری۔ اُدھر لباسِ فاخرہ کی چمک دمک تھی اور یہاں کھدر کے موٹے جھوٹے کپڑے، وہاں ناز و نعم اور یہاں مساوات، وہاں خوان ہائے نعمت، یہاں صرف ایک سالن میسر۔ ایسے حالات میں انسانی فطرت کبھی تو قناعت کی طرف راغب ہوتی ہے اور کبھی ذہنی بے چینی اور تردد کا شکار ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک مرتبہ شادی کے بعد پاؤں میں پڑی ہوئی زنجیر عموماً عورتیں نہیں توڑ سکتیں وہ صرف اتنا ہی آگے جا سکتی ہیں جتنی پاؤں کی زنجیر کی طوالت انھیں آزادی دے، لیکن اس سے آگے عموماً عورت اور کچھ نہیں کرتی۔ ام الفضل نے بھی اس زنجیر کو شکایتی خطوط کے ذریعے توڑنا چاہا اور وسیع و عریض محلوں کی طرف بھاگنے کی وہ بھرپور کوشش کرتی رہی لیکن بات نہ بنی۔ آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ مامون کی وفات کے بعد کس طرح اس نے اس زنجیر کو توڑا۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الارشاد میں لکھا ہے کہ:۔ ان المامون لما اراد ان یزوج ابنتہ للامام ابی جعفر محمد بن علی الرضاؑ دبلغ ذالک العباسیین ثقل علیھم واستنکروہ وخافوا ان ینتھی الامر معہ الی ما انتھی مع ابیہ الرضاؑ، فاجتمع الی المامون جماعۃ منھم وقالو: ننشدک اللہ یا امیر المؤمنین ان تقیم علی ھذا الامر الذی عزمت علیہ من تزویج ابن الرضاؑ، فانا نخاف ان تخرج عنا امرا قد ملکناہ وتنزع عنا عزا

لہ الارشاد صفحہ ۳۵۶، ۳۵۵۔ اعیان الشیعہ جلد ۲/۴ صفحہ ۱۶۷، ۱۶۶۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۰ء

قد الیناہ۔ فقد عرفت مابیننا وبین ھؤلاء القوم آلِ علی قدیماً وحدیثاً و ماکان علیہ الخلفاء الراشدون قبلک معھم وقد کنا فی وھلۃ من عملک مع الرضاؑ ما عملت حتیٰ کفانا اللہ المہم من ذٰلک فاصرف رایک عن ابن الرضاؑ واعدل الی من تراہ من اھل بیتک یصلح لھا دون غیرھم [1] "جب مامون نے ارادہ کیا کہ اپنی بیٹی کی شادی امام ابی جعفر الثانی محمد بن علی الرضاؑ سے کر دی جائے اور یہ بات عباسیوں تک پہونچی تو وہ اسپر بہت ناراض ہوئے اور مامون پر دباؤ ڈالا اور اس کو منع کیا اور انھیں اس بات کا خوف ہوا کہ یہ امر اس بات پر منتہی ہوگا جس پر کہ امام علی رضاؑ کا معاملہ منتہی ہوا تھا۔ عباسیوں کی ایک جماعت مامون کے پاس جمع ہوئی اور انھوں کہا اے امیرالمؤمنین ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہیں کہ آپ نے جو فیصلہ ابن الرضاؑ کی تزویج کا کیا ہے اس پر آپ قائم رہیں۔ لیکن ہمیں خوف یہ ہے کہ جس بات کے ہم مالک ہیں (یعنی بادشاہت) وہ ہم سے نکل جائے گی اور جو اقتدار ہمیں حاصل ہے وہ ہم سے چھن جائے گا۔ آپ بھی جانتے ہیں ان باتوں کو جو ہمارے اور آلِ علیؑ کے درمیان عہدِ قدیم سے راہ پاگئی ہیں اور جدید دور میں بھی جو رویہ ہے اور جو کچھ آپ سے قبل آپ کے آباء و اجداد (جن کو خلفائے راشدین سمجھ رہے تھے) کا رویہ رہا ہے۔ ہم تو پہلے ہی آپ کے اس رویہ کے بارے میں پریشان تھے جو علی الرضاؑ کے ساتھ آپنے اختیار کیا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہم سر کی (پھر آپ کی رائے ابن الرضاؑ سے متعلق ہوئی) اب آپ اپنی رائے کو ابن الرضاؑ سے ہٹا لیجئے اور ان کے علاوہ اپنے اہلبیت میں سے جس کو دیکھئے کہ آپ کی لڑکی کے لئے موزوں ہے اس کی طرف اس امر کو پھیر دیجئے"۔

---

[1] الارشاد صفحہ ۳۵۰۔ کشف الغمۃ جلد دوم صفحہ ۳۵۳ و ۳۵۴

مامون نے ان سب کی باتیں غور سے سنیں اور جواباً کہا: واما ابو جعفر محمد بن علی فقد اخترته لتبریزه علی کافة اهل الفضل فی العلم مع صغر سنه ولا عجوبة فیه ذالك وانا ارجوان یظهر للناس ما قد عرفته منه ان الرای ما رایت فیه۔[1]

"جہاں تک ابوجعفر محمد بن علی کا تعلق ہے تو میں نے چھوٹی عمر کے باوصف تمام اہلِ فضل پر علم میں ان کے تفوق کی وجہ سے انھیں اختیار کیا ہے اور ان کی ذہانت کی وجہ جو ان میں پائی جاتی ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ میں لوگوں پر وہ بات ظاہر کردوں جو میں نے ان میں دیکھی ہے اور جو میں نے ان کے متعلق جانا ہے۔"

مامون کی یہ گفتگو یقیناً عباسیوں کے لئے امید افزا نہ تھی اسی وجہ سے انھوں نے تعجب سے پوچھا "یا امیر المؤمنین اتزوج ابنتك وقرة عینك صبیاً لم یتفقه فی دین الله ولم یعرف حلاله من حرامه ولا فرضه من سنته، ان هذا الفتی وان راقك منه هدیه فانه صبی لا معرفة له ولا فقه۔ فامهله لیتأدب ولیقرا القرآن ویتفقه فی الدین ثم اصنع ما تراه بعد ذالك"۔[2]

"اے امیر المومنین! کیا آپ اپنی بیٹی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کی تزویج ایک ایسے بچہ سے کردیں گے جس کو اللہ کے دین میں تفقہ حاصل نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس کے حلال وحرام کو جانتا ہے۔ یہ بچہ اور اس سے آپ کی محبت اس کو آگے بڑھانے کے مترادف ہے جبکہ وہ بچے ہیں جن کو نہ معرفت ہے نہ فہم۔ پس آپ انھیں مہلت دیں تاکہ وہ ادب سیکھیں اور قرآن پڑھ لیں اور دین میں سمجھ حاصل کرلیں۔ اس کے بعد آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اس پر عمل کریں۔"

---

[1] الارشاد صفحہ ۳۵۱۔ کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۴۔ سیرۃ الائمہ الاثنیٰ عشر جلد ۲ صفحہ ۴۴۸

[2] الارشاد صفحہ ۳۵۲۔ سیرۃ الائمہ الاثنیٰ عشر جلد ۲ صفحہ ۴۴۸

یہ دراصل امام محمد تقی علیہ السلام کے خلاف منصوبہ بندی کی مہلت لینے کے لئے تھا۔ لیکن مامون کے جملوں نے انھیں یہ مہلت حیا نہ ہونے دی۔ اس کے بعد جو الفاظ مامون نے آپ کی شان میں کہے ہیں وہ آپ کے علم وفضل کا زبردست اعتراف ہے۔ مامون نے جواباً کہا کہ:

"ویحکم انی اعرف بھٰذا الفتی منکم وانہ لأفقہ منکم وأعلم باللّٰہ ورسولہ وسنتہ واحکامہ وأقرا لکتاب اللّٰہ منکم واعلم بمحکمہٖ ومتشابھہ وناسخہ ومنسوخہ وظاھرہ وباطنہ وخاصہٖ وعامہٖ وتنزیلہ وتاویلہٖ وان شئتم فامتحنوہ فان کان کما وصفتم قبلت منکم"۔ [1]

"تم پر ہلاکت ہو! میں اس لڑکے کو تم سے زیادہ جانتا ہوں یہ تم سے زیادہ فقیہ ہے اور تم سے زیادہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سے واقف اور سنت سے باخبر ہے۔ اور تم سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ہے اور قرآن کی محکم و متشابہ، ناسخ اور منسوخ، ظاہر و باطن، خاص اور عام، تنزیل اور تاویل سے زیادہ باخبر ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو اس کا امتحان لے سکتے ہو۔ اگر یہ ویسا نکلا جیسا کہ تم کہتے ہو تو میں تمھاری بات مان لوں گا"۔

یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد مؤرخین نے لکھا ہے کہ بنو عباس امام محمد تقی علیہ السلام کا امتحان لینے پر راضی ہوگئے اور مامون سے کہا کہ آپ ہمیں اجازت دیں کہ فقہ الشریعہ سے متعلق ان سے سوال و جواب کرنے کے لئے کسی کو معین کریں اگر انھوں نے ٹھیک جواب دے دیا تو ہم کو کوئی اعتراض نہ رہ جائے گا اور اگر یہ جواب نہ دے سکے تو ہماری بات دُرست ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ سب مناظرہ کے لئے یحییٰ بن اکثم کو مقرر کرنے پر

---

[1] الارشاد، صفحہ ۳۵۷۔ کشف الغمہ جلد ۲، صفحہ ۳۵۴

راضی ہوئے اور انھوں نے یحییٰ بن اکثم کو مقرر بھی کیا۔ یحییٰ بن اکثم اس وقت قاضی القضاۃ تھے اور کافی سن رسیدہ بھی ۔ دنیا کی نگاہوں میں یہ صاحبِ سن و سال اور ایک بچہ کے درمیان بالکل غیر متوازن سا مقابلہ تھا۔ لیکن اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بنو عباس امام کے علم و فضل سے بہت مرعوب تھے ورنہ آٹھ یا نو سال کے بچے کے لئے علوم درسیہ سے آراستہ مسندِ قضاء پر جلوہ افروز، صاحبِ سن و سال کو مقرر نہ کرتے۔ بچہ کے لئے تو محض معمولی سا عالم کافی ہوتا پھر بغداد میں علماء کی کیا کمی تھی؟ لیکن بنو عباس کی نگاہیں اتنی ناقدر شناس نہ تھیں۔ ان کا حسد امام کو ابتلا میں ڈالنے کی تجویز دے رہا تھا اور ان کا انتخاب ان کی قدر شناسی کو آشکار کر رہا تھا۔ بہر حال یحییٰ اور امام علیہ السلام میں مناظرہ تو کیا ہوا، یحییٰ نے بغرضِ امتحان ایک مہمل سوال حالتِ احرام میں شکار کرنے کے کفارے سے متعلق پوچھا تو آپ نے اس میں ۵۰ شقیں پیدا کر کے یہ بتا دیا کہ قاضیِ وقت کو سوال کرنے کا بھی ڈھنگ نہیں آتا۔ بہر حال یحییٰ کے اظہارِ عجز عن الجواب نے امام کو مجبور کیا کہ اس مسئلہ کی تشریح خود ہی فرمائیں۔ پھر امام نے سوال کیا تو قاضی القضاۃ جواب نہ دے سکے اور اس کی تشریح بھی خود امام نے فرمائی۔

اس مناظرہ نے بنو عباس پر یہ بات واضح کر دی کہ مامون کا انتخاب بے مثل و بے نظیر ہے اور پورا عالمِ اسلام اس کا جواب نہیں لا سکتا۔ اس مناظرہ کے بعد بنو عباس سے کچھ بن نہ پڑا اور مامون نے اسی تقریب میں اپنی بیٹی ام الفضل سے آپ کا نکاح کر دیا[1]۔ تذکرہ نگاروں نے تفصیل سے اس تقریب کا حال لکھا ہے جس کو آگے مناسب موقع پر لکھا جائے گا۔

---

[1] سیرۃ الائمۃ الاثنیٰ عشر جلد ۲ صفحہ ۴۵۰۔ کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۵۔ الارشاد صفحہ ۳۰۴۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲۔ روائح المصطفیٰ صفحہ ۱۹۱۔ نور الابصار ۱۴۲۔ شرح ارشاد صفحہ ۴۷۸ وغیرہ۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنی زوجہ ام فضل بنت مامون کو لے کر محل کے قریب ہی ایک جگہ رہنے لگے ۔ دوسری طرف بنو عباس جو کہ اپنے مشن میں ناکام ہو چکے تھے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے ۔ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے عقد میں ام حبیب آئی تھی لیکن اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔ مامون نے اُم فضل کا عقد اس وجہ سے امام محمد تقی علیہ السلام سے کیا تھا تاکہ اولاد ہو اور ان کے جد رسول اللہ صلعم اور علی ابن ابی طالب علیہم السلام قرار پائیں لیکن یہ خواہش پوری نہ ہوئی ۔ ابن واضح یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ :- وزوج محمد بن الرضاؑ ابنته ام الفضل وامر له بالفی الف درهم وقال انی احببت ان اکون جد المرء ولده رسول الله وعلی بن ابیطالب علیهما السلام فلم تلد منه [1] " مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح محمد بن الرضاؑ سے کر دیا اور اُن کو بیس لاکھ درہم دینے کا حکم دیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک ایسے شخص کا نانا بن جاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی بن ابی طالب علیہما السلام کی اولاد میں سے ہو ۔ لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی "۔

کچھ عرصہ رہنے کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے مامون سے حج کی اجازت مانگی اور آپ حج کی غرض سے مدینہ تشریف لائے ۔ آپ کے ساتھ مامون کی بیٹی یعنی آپ کی زوجہ اُم الفضل بھی تھی ۔

دو ۲ اہم واقعات

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام مامون کے محل کے پاس ایک گھر میں سکونت پذیر ہوئے تھے ۔ علامہ محسن الامین کی تحقیق یہ ہے کہ محلہ

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۹۵

قنطرۃ البردان کے قریب رحبہ اسوار بن میمون میں قیام پذیر تھے [۱] علامہ محمد بن یعقوب کلینیؒ نے کافی میں دو واقعات نقل کئے ہیں جن میں سے پہلا واقعہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ کے خلاف کس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اور لوگ خوامخواہ آپؑ کے بارے میں سوءِ ظن رکھتے تھے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ :-

محمد بن علی الہاشمی کہتا ہے کہ میں امام محمد تقی علیہ السلام کے پاس اس صبح کو آیا جس کی رات کو آپ کی تزویج بنتِ امون سے ہوئی تھی۔ میں سب سے پہلا شخص تھا جو اس صبح آپ کی خدمت میں پہونچا۔ میں نے رات کو دوا کھائی تھی اس سبب سے مجھے شدید پیاس تھی، حضرت نے میری طرف دیکھا تو تبسم فرمایا اور اپنے غلام یا کنیز سے فرمایا ہمیں پانی پلا۔ میں نے دل میں کہا آج تو مجھے زہر آلود پانی ملے گا۔ اس خیال سے میں گھبرایا جب پانی آیا تو حضرتؑ نے غلام سے کہا اس میں سے تھوڑا سا مجھے دو۔ اس نے انڈیلا تو آپؑ نے نوش فرمایا بعد میں مجھے دیا لیکن اس پانی سے میری پیاس نہ بجھی لیکن ہمت نہ ہوئی کہ دوبارہ مانگوں حضرتؑ نے دوبارہ خود ہی طلب کیا اور پہلے خود پیا پھر مجھے دیا۔ اس وقت مجھے یقین آیا کہ شیعوں کا گمان امامؑ کے بارے میں درست ہے۔ [۲]

دوسرا واقعہ ایک تو آپ کی بلندیٔ کردار پر دلالت کرتا ہے اور دوسری طرف ایک حد تک عباسی خلفاء کی ذہنیت کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

محمد بن ریان کہتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام کے کردار کو آزمانے کے لئے مامون نے ہر حیلہ اختیار کیا کیونکہ وہ اپنی بیٹی کی تزویج آپ سے کرنا چاہتا تھا لہٰذا امتحان ضروری خیال کرتا تھا لیکن ان حیلوں سے وہ آپ کو مغلوب کرنے میں ناکام

---

[۱] اعیان الشیعہ ۴/۲ صفحہ ۱۰۱، طبع بیروت ۱۹۹۰ء بحوالہ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔

[۲] اصول الکافی صفحہ ۴۹۶ جلد اول۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۱۱۱۔ الارشاد صفحہ ۳۵۴۔

رہا۔ اس نے ایک تدبیر یہ کی کہ دو سو نہایت حسین و جمیل لونڈیاں آپ کے پاس بھیجیں جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں نہایت خوشنما جام تھے جن میں موتی اور جواہرات بھرے ہوئے تھے اور انھیں حکم دیا کہ جس وقت حضرتؑ اپنے اسلاف کی طرح شانِ امامت سے بیٹھے ہوں تو آپ کے سامنے جائیں اور ان جواہرات کو پیش کریں۔ اور عشوہ گری دکھائیں۔ لیکن حضرتؑ کے پاس جب یہ آئیں تو آپ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ جب مامون اس تدبیر میں ناکام ہوا تو مخارق گویّے کو جو بہت دراز ریش تھا بلایا۔ اس نے کہا اگر ان کے دل میں دنیا کی خواہش ذرا سی بھی ہو گی تو میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ پس مامون کے محل میں وہ امام محمد تقی علیہ السلام کے سامنے بیٹھا اور ایسی بلند آواز سے گانے لگا کہ محل کے سب لوگ جمع ہو گئے۔ وہ اپنی سارنگی بجا رہا تھا اور گا رہا تھا۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور حضرتؑ نے نہ داہنے طرف دیکھا نہ بائیں طرف اور بالکل توجہ نہ دی، ایک مرتبہ آپ نے سر اٹھا کر فرمایا اوبے ڈول داڑھی والے خدا سے ڈر۔ حضرتؑ کے یہ فرماتے ہی مضراب و باجہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور مرتے دم تک اس کے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے۔ مامون نے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ جب امام علیہ السلام نے مجھے ڈانٹا تو میرے جسم میں ایسا زبردست لرزہ پیدا ہوا جس کا اثر آج تک میں پاتا ہوں۔[۱]

مدینۃ الرسولؐ کی یاد

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام جب تک بغداد میں رہے مدینۃ الرسولؐ کی یاد آپ کو ستاتی رہی۔ آپ مستقل مدینہ جانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں اور شیخ عباس قمیؒ نے منتہی الامال میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے آپکی

---

[۱] کافی جلد ۱، صفحہ ۴۹۵ ۔ مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۱۳

کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حسین مکاری کہتے ہیں کہ جس زمانے میں امام محمد تقی علیہ السلام بغداد میں قیام فرما تھے مجھے بھی ایک کام سے آپ کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ شہر پہونچ کر امامؑ کی خدمت میں حاضری دی اور محفلِ مقدس میں بیٹھے بیٹھے سوچنے لگا کہ آج کل امامؑ جس عظمت و کرامت، راحت و آرام میں ہیں اسے چھوڑ کر اب مدینہ کیا تشریف لے جائیں گے۔ ابھی میں اسی خیال میں غرق تھا کہ حضرتؑ نے گردن جھکالی اور ایک لمحے کے بعد آہستہ آہستہ غم انگیز چہرۂ انور میری طرف کیا، میں نے چہرے سے اندازہ لگایا کہ آپؑ حسرت و یاس کے عالم میں ہیں۔ امامؑ نے فرمایا:-

"حسین! تمھیں معلوم ہے کہ میرے دل پر کیا گذرتی ہے؟ تم جو کچھ سوچ رہے ہو وہ بالکل غلط ہے۔ ارے مجھے مدینہ کی وہ روٹیاں ان خوانہائے لذت سے زیادہ پسند ہیں جنھیں جَو سے پکایا جاتا ہے اور نمک سے کھایا جاتا ہے۔ [1]

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ بروایت شیخ مفیدؒ و دیگر علماء جب حضرتؑ صحبتِ مامون سے پریشان ہوئے تو رخصت لے کر متوجہ بیت الحرام ہوئے اور وہاں سے مدینۂ منورہ پہونچ کر اسی مقامِ متبرک میں سکونت اختیار کی۔ [2]

اُمّ الفضل اپنے آپ کو مطمئن نہ کرسکی

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مامون نے اپنی ایک بیٹی ام الفضل کا نکاح حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے کر چکا تھا اور مامون کے حکم سے امام علیہ السلام کو مدینہ سے

---

[1] بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ - منتہی الامال جلد ۲ صفحہ ۲۷۰

[2] جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۳۹۳

بغداد آنا پڑا جس کو وہ قطعاً چھوڑنا نہیں چاہتے تھے لیکن حکمِ حاکم مرگِ مفاجات کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کم سن امام علیہ السلام بغداد تشریف لے گئے اور وہاں ہارون کی بیٹی سے آپؑ کی نہایت دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کے حرم میں اور اس کی بیٹیوں میں ایک خاص قسم کا تکبر و تفاخر تھا۔ بادشاہ یعنی امیرِ وقت کی بیٹی ہونے کے ناطے اس کی کوئی معمولی حیثیت نہ تھی جس کو نظرانداز کیا جا سکتا۔ وہاں تمام آسائشیں اور سہولتیں مہیا تھیں اور یہاں قناعت و فقر کا یہ عالم تھا کہ اگر دو وقت روٹی میسر آجائے تو بھی توکل کے اعلیٰ مقام کا مظاہرہ، ورنہ دوسرے وقت کے کھانے کی بھی فکر نہ ہوتی تھی۔ ام الفضل ان حالات میں کس طرح گزارہ کر سکتی تھی۔ یہاں شاہانہ ٹھاٹ باٹ نہ تھے، یہاں تو فقیرانہ زندگی تھی جو کی روٹی اور ایک وقت کے سالن کا مہیا ہونا بھی کوئی یقینی امر نہ تھا لہٰذا لامحالہ ام الفضل نے شکایات کیں اور اس نے اپنے دکھڑے روئے لیکن امامؑ اس کی پرواہ بھلا کیا کرنے والے تھے۔ اور نہ ہی ہم کسی مقام پر دیکھتے ہیں کہ مامون کی بیٹی کو آپ نے دوسری عورتوں پر ترجیح دی ہو، یہاں تو مساوات ہی مساوات تھی، اگر آدھی روٹی جو کی خود نصیب ہے تو وہی بادشاہ کی بیٹی بھی کھائے گی اور دیگر اہلِ حرم بھی۔ ایک طرف شاہانہ انداز و اطوار اس کی نظر میں تھے اور دوسری طرف فقیرانہ انداز مدِنظر تھا۔ اس ماحول میں ام الفضل کس طرح اپنے آپ کو مطمئن کر سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ مامون کو شکایتی خطوط لکھے۔ اگر آپ ام الفضل کی محفلِ شادی کا حال پڑھ لیں اور بورانِ دخت سے مامون کی شادی کا حال پڑھ لیں حیرت ہوگی کہ اتنا خزانہ کس طرح لٹا دیا گیا۔ ایسے ماحول میں پلنے والی لڑکی یقیناً اس نئے اور فقیرانہ ماحول میں دل تنگ تھی، لہٰذا اس ماحول سے اس کی ناراضگی امام علیہ السلام کی شہادت کا سبب بنی۔ ذیل میں ہم مامون کی بورانِ دخت سے شادی

اور پھر ام الفضل سے امام علیہ السلام کے نکاح کا حال لکھتے ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ دونوں فریقوں کے طرزِ زندگی میں کتنا فرق تھا۔

مامون کی بوران دخت سے شادی

اِس موقع پر ہم محض ابوجعفر طبری کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "جب مامون حسن بن سہل کی چھاؤنی کو آنے کے لئے فم الصلح روانہ ہوئے تو انھوں نے ابراہیم بن مہدی کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ مامون بوران کو بیاہنے کیلئے اپنی کشتی میں سوار ہو کر بغداد سے چلے اور حسن کے دروازے پر لنگر انداز ہوئے۔ عباس بن مامون پہلے ہی خشکی کے راستے وہاں پہنچ چکا تھا۔ حسن اپنی فرودگاہ سے بڑھا اور دجلہ کے مقام پر جہاں اس کے لئے ایک محل بنوایا گیا تھا پہونچ کر استقبال کیا۔ اُسے دیکھتے ہی عباس گھوڑے سے اترنے لگا لیکن حسن نے اُسے حلف دے کر اسے روک دیا۔ دونوں برابر آگئے تو اب حسن اس کی تعظیم کے لئے سواری سے اترنے لگا لیکن اس مرتبہ عباس نے امیرالمومنین کے حق کا واسطہ دیکر اس کو منع کر دیا۔ لیکن حسن نے نہیں مانا، وہ سواری سے اترا اور عباس کو گھوڑے ہی پر گلے سے لگا لیا۔ پھر اپنا گھوڑا طلب کیا اور اب وہ دونوں حسن کے مکان پر آئے۔ مامون اسی سال ۲۱۰ھ رمضان میں مغرب کے وقت حسن کے گھر تشریف لائے، اور یہاں انھوں نے اور حسن نے افطار کیا۔ دینار بن عبداللہ وہیں کھڑا رہا۔ افطار سے فارغ ہو کر انھوں نے اپنے ہاتھ دھوئے۔ مامون نے شراب منگوائی، ایک سنہری جام پیش کیا گیا۔ اس میں شراب انڈیلی گئی۔ مامون نے پہلے خود پی، پھر ایک جام حسن کی طرف بڑھایا۔ حسن نے اس کے لینے میں پس و پیش کیا، کیونکہ اس سے قبل اس نے کبھی شراب نہ پی تھی۔ دینار بن عبداللہ نے حسن کو آنکھ کا اشارہ کیا اس پر حسن نے

کہا، امیر المومنین! میں آپ کے حکم کی وجہ سے پئے لیتا ہوں۔ مامون نے کہا، اگر میرا حکم نہ ہوتا تو میں کیوں تمھاری طرف ہاتھ بڑھاتا۔ بہرحال حسن نے جام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُسے پی لیا۔

دوسری رات میں محمد بن حسن بن سہل اور عباسہ بنت الفضل ذی الریاستین کی شادی کی گئی۔ تیسری شب میں مامون بوران کے پاس آئے۔ اس وقت اس کے پاس حمدونہ، ام جعفر اور بوران کی دادی بھی موجود تھی۔ جب مامون رسم جلوہ کیلئے مسند پر اس کے پاس بیٹھے تو بوران کی دادی نے ایک ہزار موتی جو سونے کی کشتی میں رکھے تھے ان پر نچھاور کئے۔ مامون نے حکم دیا کہ ان کو جمع کر لیا جائے، اور بوران کی دادی سے پوچھا کہ یہ کتنے تھے، اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار، اور جمع کرنے کے بعد انھیں گنا گیا تو دس کم نکلے۔ مامون نے کہا جس نے لئے ہوں دیدے۔ لوگوں نے کہا حسین زجلہ نے لئے ہیں۔ مامون نے اسے حکم دیا کہ واپس کر دے، اس نے کہا مگر امیر المومنین یہ تو نثار ہی اس لئے کئے گئے ہیں کہ ہم ان کو لوٹ لیں۔ مامون نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے، مگر تم اس وقت دیدو ہم اس کا معاوضہ دے دیں گے، اس نے واپس دیدیئے۔ مامون نے ان کو پھر اسی طرح کشتی میں جما دیا جس طرح کہ وہ نچھاور ہونے سے پہلے تھے۔ اب ان موتیوں سے بوران کی گود بھری گئی۔ مامون نے کہا، لو یہ تمھارا مہر ہے۔ اس کے علاوہ اور جو کچھ چاہتی ہو کہو۔ وہ تو خاموش رہی مگر اس کی دادی نے کہا کہ جب تمھارے آقا تمھیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی ضروریات بیان کرو تو کیوں نہیں کرتیں۔

اس نے مامون سے درخواست کی کہ ابراہیم بن المہدی کی خطا معاف کر دیں۔ مامون نے کہا، اس کو معاف کر دیا۔ اب اس نے کہا کہ آپ اُم جعفر کو حج کی اجازت دیں، مامون نے اجازت دے دی۔ اُم جعفر نے بوران کو ایک امویہ بجلوس پہنایا۔ اسی رات مامون بوران کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ اس رات میں ایک اتنی بڑی عنبر کی

شمع روشن کی گئی جس کے سنہری توڑے میں چالیس من عنبر تھا۔ مامون نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ کیا اسراف ہے [1] گو کہ اس موقع پر مامون نے اسراف پر اعتراض کیا لیکن خود مامون کے اسراف کی انتہا نہ رہی بعد میں طبری ہی نے لکھا ہے کہ "مامون ۱۷ دن حسن کا مہمان رہا، اس عرصے میں روزانہ ان کے تمام مصاحبین کے لئے جملہ ضروریات حسن کی طرف سے مہیا کی جاتی تھیں۔ حسن نے تمام امراء کو ان کے درجے اور مرتبہ کی مناسبت سے خلعت اور صلے عطا کئے۔ اس میں حسن کے پانچ کروڑ درہم خرچ ہوئے۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوئے مامون نے غسان بن عباد سے کہا کہ فارس کی آمدنی سے ایک کروڑ درہم نقد حسن کو ادا کر دے، اس کے علاوہ اس نے مقام "صلح" کی جاگیر اس کو دے دی۔ یہ رقم کیونکہ غسان کے پاس موجود تھی لہٰذا وہیں حسن کو ادا کر دی گئی۔ حسن نے دربار کیا اور اس رقم کو اپنے خدم و حشم میں تقسیم کر دیا۔ مامون کے جانے پر وہ مقام صلح تک ساتھ آیا [2]۔ آگے چل کر طبری ایک مقام پر ایک قول نقل کرتے ہیں کہ بوران کی شادی پر ڈھائی کروڑ درہم مامون کی طرف سے اور تین کروڑ پچاس لاکھ سے تین کروڑ ستر لاکھ تک ام جعفر کی طرف سے خرچ ہوئے۔ [3]

اُمّ الفضل کے شکایتی خطوط

مدینہ پہونچ کر امام محمد تقی علیہ السلام اپنے اسلاف کی طرح عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ اس کا بیان اپنی جگہ پر آئے گا۔ لیکن امام علیہ السلام کی زندگی میں ایک اہم موڑ یہاں آ کر پیدا ہوا۔ ام الفضل بادشاہ زادی

---

[1] تاریخ الامم والملوک جلد ۸، صفحہ ۳۶۲ - ۳۶۱

[2] " " " " صفحہ ۳۶۳

[3] " " " " صفحہ ۳۶۳

تھی، ہر وقت ہاں جی اور جی حضور سننے کی عادی تھی، اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کی توجہ کا مرکز و محور رہتی تھی، یہاں صحبتِ امام علیہ السلام میں اُسے کچھ اور ہی ڈھنگ دیکھنے کو ملا۔ اُم الفضل کو سب سے زیادہ تکلیف اس امر کی تھی کہ امام علیہ السلام اس کے علاوہ دوسری بیویوں پر بھی التفات فرماتے تھے۔ چنانچہ اُم الفضل نے اس کی شکایت مامون کو لکھ بھیجی۔ شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں تحریر فرمایا ہے :۔

اِنّ ام الفضل کتبت الی ابیہ من المدینۃ تشکو اباجعفر علیہ السلام وتقول انہ یتسری علیّ ویغیرنی فکتب الیھا المامون یا بنیۃ انا لم نزوجک اباجعفرؑ لنحرم علیہ حلالا فلا تعاودی لذکر ما ذکرت بعدھا۔ لہ

"ام الفضل نے اپنے باپ کو مدینہ سے خط لکھا اور اس میں ابوجعفرؑ ثانی علیہ السلام کی شکایت کی اور کہا کہ میرے علاوہ کنیزوں اور ازواج کو اختیار کر لیا ہے"۔ مامون نے جواب میں لکھا اے میری بیٹی ہم نے تمہاری تزویج ابوجعفر سے اس لئے نہیں کی ہے کہ ان پر حلال کو حرام قرار دیدیں۔ آئندہ اس مضمون کا خط کبھی نہ بھیجنا جیسا کہ پہلے بھیجا تھا۔" لہ

مامون کا انتقال اور معتصم کی تخت نشینی

۲۱۸ھ میں مامون الرشید نے انتقال کیا، اس وقت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر محض ۲۳ سال تھی۔ ابنِ خلدون نے لکھا ہے کہ ۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون نہر بربرون پر پہونچ کر علیل ہوا۔ روز بروز مرض بڑھتا چلا گیا۔ اسی حالت میں وہ عراق پہونچا اور مقام طرسوس میں پہونچ کر انتقال کر گیا، یہ واقعہ اس کی

لہ الارشاد صفحہ ۳۰۷۔ کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۸۔ منتخب التواریخ صفحہ ۴۳۵۔

خلافت کے بیسویں برس کا ہے۔[1]

ابن الوردی نے لکھا ہے کہ :- "مرض المامون لثلاث عشرة خلت من جمادی الآخرة، وذلك انه كان جالسًا هو واخوه المعتصم على شاطئ نهر البدندون وارجلهما فی الماء"[2]

"جمادی الآخر کے ۱۳ دن گذر چکے تھے کہ مامون بیمار ہوا۔ وہ اور اس کا بھائی معتصم نہر بدندون کے کنارے بیٹھے تھے اور ان دونوں کے پاؤں پانی میں ڈوبے ہوئے تھے"۔ آگے چل کر ابن الوردی نے لکھا ہے کہ" اس نے نہر کا پانی جو کہ انتہائی ٹھنڈا تھا اور رطب کھائے تھے جس کی وجہ سے اس کو بخار ہو گیا تھا۔ معتصم تو عراق پہونچتے ہی ٹھیک ہو گیا لیکن مامون بیمار ہی رہا"۔ ابنِ واضح یعقوبی نے لکھا ہے کہ" جمعرات کے دن ماہِ رجب کے ۱۲ دن گذرے تھے ۲۱۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ مامون کا سن انتقال کے وقت ۴۸ برس ۴ ماہ تھا۔ اس کی نمازِ جنازہ اس کے بھائی ابو اسحاق نے پڑھائی اور طرسوس میں" دارِ خاقان الخادم" میں دفن کیا گیا"۔[3]

ابن الوردی نے مامون کی آخری وصیت کے چند جملے نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ" بنو علی تمہارے ابنِ عم ہیں اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ؑ کی اولاد ہیں، ان سے اچھا سلوک کرنا اور ان کا برا چاہنے سے اجتناب کرنا اور زندگی کے ہر دور میں ان پر صلاۃ بھیجنے سے غافل نہ ہونا[4]

---

[1] ابن خلدون، جلد ۳، صفحہ ۱۸۹

[2] تتمۃ المختصر فی اخبار البشر، جلد ۱، صفحہ ۳۰۱

[3] تاریخِ یعقوبی، جلد ۲، صفحہ ۲۰۹

[4] تتمۃ المختصر فی اخبار البشر، جلد ۱، صفحہ ۳۰۱

ابن الوردی نے یہ بھی لکھا ہے کہ " اس کو اس کے بھائی طرسوس دفن کرنے کیلئے لے گئے اور اسے ہتھیاروں سمیت دفن کر دیا، مقامِ تدفین " جلجان خادم الرشید" تھا [۱] اس طرح بنو عباس کا ایک اور پُر جلال و پُر شکوہ عالم و فاضل حکمران دنیا سے کوچ کر گیا۔

مامون کا ولی عہد اس کا بھائی معتصم تھا۔ اس کی کنیت ابواسحاق اور نام محمد تھا۔ مامون کے مرنے پر معتصم کی بیعت کی گئی۔ یہ واقعہ ۱۵ رجب ۲۱۸ھ کا ہے۔ بعض لشکریوں نے شور و غل مچایا کہ عباس بن مامون کو خلیفہ بنایا جائے لیکن معتصم نے اسی وقت طوانہ کو مسمار و ویران کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ فوجی جس قدر ساز و سامان ہو سکا اٹھا لائے باقی جلا دیا اور لوگ اپنے اپنے شہروں کو واپس آ گئے۔ [۲]

امام محمد تقی علیہ السلام کی بغداد طلبی اور امام علی نقی علیہ السلام پر نص

اُم الفضل کے شکایتی خطوط مسلسل معتصم کو مل رہے تھے جن کا تفصیلی تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں۔ ذی الحجہ ۲۱۹ھ میں معتصم کی طرف سے امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد پہنچنے کا حکم ملا۔ آپؑ نے حج کیا اور بغداد روانہ ہوئے۔ معتبر قول اس سلسلے میں یہ ہے کہ امامؑ ۲۸ محرم الحرام ۲۲۰ھ کو بغداد پہنچے۔ شیخ عباس قمیؒ نے اپنی کتاب میں اس موقع پر ایک راوی کی زبانی امامؑ کے بغداد پہنچنے کا حال اور امامؑ سے اپنی گفتگو کا حال روایت کیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

---

[۱] تتمۃ المختصر فی اخبار البشر، جلد ا صفحہ ۳۰۱

[۲] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۰۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰

قاسم بن عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ میرا تعلق زیدی فرقے سے تھا، اسی دوران مجھے بغداد جانا پڑا، ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ شہر میں بڑی چہل پہل ہے، لوگ بازاروں میں کوٹھوں پر جمع ہیں۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کی سواری آ رہی ہے، میں نے فیصلہ کیا کہ یہ جلوس دیکھنا چاہیئے۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ حضور کی سواری آ رہی ہے۔ میں نے دل میں ان کے متعلق کچھ نامناسب باتیں خیال کیں، میں نے دل میں کہا "یہ ہیں شیعہ اور ان کے وہ جوان امام جن کی اطاعت فرض کی گئی ہے۔" اتنے میں حضرت میرے قریب آئے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

فَقَالُوٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔

(القرآن ۵۴، سورۃ القمر آیۃ ۲۴) "اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی پیروی کریں، یوں ہو تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے" (ترجمہ فتح الحمید)

قاسم کہتا ہے کہ میں نے دل میں کہا کہ یہ تو سحر جانتے ہیں۔ امام نے دوبارہ فرمایا ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (القرآن ۵۴، سورۃ القمر آیت ۲۵) "اور (قوم ثمود نے کہا تھا) کیا ہم میں سے صرف اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ جھوٹا خود پسند ہے۔" یہ سنتے ہی میں اپنے اعتقادات پر نادم ہوا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہی امام برحق ہیں۔[1]

امام محمد تقی علیہ السلام نے بغداد روانہ ہونے سے قبل اپنے فرزند امام علی نقی علیہ السلام کی امامت پر نص کی۔ شیخ کلینیؒ نے اصول الکافی میں روایت نقل کی ہے کہ:۔

عن اسماعیل بن مهران	"اسماعیل بن مہران کہتا ہے کہ
قال لما خرج ابو جعفر عليه السلام من المدينة	جب امام محمد تقی علیہ السلام پہلی بار
الی بغداد فی الدفعة الاولیٰ من	بغداد جانے لگے تو میں نے چلتے وقت کہا

---

[1] شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، جلد ۲، صفحہ ۲۷۸

خرجتیه قلت له عند خروجه
جعلت فداك انى اخاف عليك فى
هذا الوجه فالى من الامر بعدك
فكر بوجهه اِلىّ ضاحكا وقال ليس
الغيبة حيث ظننت فى هذه السنة
فلما اخرج به الثانية الى المعتصم
صرت اليه فقلت له جعلت فداك
انت خارج فالى من هذا الامر من
بعدك فبكى حتى اخضلت لحيته
ثم التفت اِلىّ فقال عند هذه
يخاف على الامر من بعدى الى ابنى
على۔ [1]

میں آپ پر فدا ہوں میں اس پیش آنیوالی
صورتِ حال سے ڈرتا ہوں لہٰذا یہ بتایئے
کہ آپ کے بعد امام کون ہوگا۔ پس آپنے
ہنستے ہوئے میری طرف رخ کیا اور فرمایا
اس سال میرا جانا وہاں نہیں ہے جو تم نے
گمان کیا ہے (یعنی اس سفر میں میری
وفات نہ ہوگی) جب آپ دوسری بار
معتصم کے بلانے پر بغداد جانے لگے تو
میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا میں
آپ پر فدا ہوں آپ جا رہے ہیں یہ تو
بتایئے کہ آپ کے بعد امام کون ہوگا!
یہ سنکر حضرت اتنا روئے کہ ریش مبارک
تر ہوگئی۔ پھر مجھ سے فرمایا اس مرتبہ خوف کی صورت ہے۔ پس میرے بعد میرے بیٹے علیؑ امام ہیں۔"

اسماعیل بن مہران کے متعلق رجال الکشی میں ہے کہ :-

حدثنی محمد بن مسعود قال: سالت علی بن الحسن عن اسماعیل بن مهران قال: رمی بالغلو. قال محمد بن مسعود، ویکذبون علیه وکان تقیاً ثقةً خیراً فاضلاً. اسماعیل بن مهران بن محمد بن ابی نصر و احمد بن محمد بن عمرو بن ابی نصر کان من ولد السکونی۔ [2]

---

[1] ۔ اصول الکافی، جلد ۱، صفحہ ۳۲۳ باب ۷۲ ح ۱

[2] رجال الکشی۔ صفحہ ۳۹۲، ترجمہ ۴۸۲

ترجمہ:"مجھ سے محمد بن مسعود نے کہا کہ میں نے اسماعیل بن مہران کے متعلق علی بن الحسنؒ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اسے غلو سے متہم کیا گیا ہے۔ محمد بن مسعود کہتے ہیں کہ لوگ ان کے متعلق جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ متقی، ثقہ، اچھے کام کرنے والے اور فاضل آدمی تھے۔ اسماعیل بن مہران بن محمد بن ابی نصر اور احمد بن محمد بن عمرو بن ابی نصر دونوں سکونی کی نسل سے تھے۔"

علامہ مامقانی نے اپنی کتاب میں انھیں ثقہ یعنی قابلِ اعتماد کہا ہے۔ [1]

اسماعیل بن مہران درج ذیل افراد سے روایت کرتے ہیں:۔

ابانؒ بن جناح، ابیؒ جمیلہ، مفضلؒ بن صالح، احمدؒ بن محمد، علیؒ بن ابی حمزہ، محمدؒ بن سلیمان الدیلمی، محمدؒ بن منصور الخزاعی، اور اسماعیل بن مہران سے روایت کرنے والے درج ذیل افراد ہیں:۔

ابوؒ زکریا، ابو الحسینؒ الرازی، الحسنؒ بن خرزاذ، الحسنؒ بن موسیٰ [2]

---

[1] تنقیح المقال، جلد ۱، صفحہ ۱۴۵

[2] فہرست رجال اختیار معرفۃ الرجال صفحہ ۴۹ خرجہا وحققہا حسن المصطفوی چاپ خانہ دانشگاہ مشہد اسفند ۱۳۴۸ھ

ایک چور کا قصہ اور قاضی شہر کا غلط فیصلہ

اس عہد میں امامؑ کی شہادت سے پہلے ایک واقعہ ہوا جس نے معتصم کے دل میں اس خیال کو اور تقویت دی کہ امامؑ کو شہید کر دینا چاہیئے۔ ہوا یوں کہ دربار میں ایک چور حاضر کیا گیا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران مجرم نے اقرارِ جرم کیا اور سزا کا مطالبہ کیا۔ معتصم نے علماء کو جمع کیا اور پوچھا کہ اس کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے۔

قاضی نے جواباً کہا کہ پشتِ دست کی طرف سے گٹے سے کاٹا جائے۔

معتصم نے دریافت کیا کہ کیا دلیل ہے؟

قاضی نے کہا کہ "ید" کے معانی انگلی اور ہتھیلی کے ہیں کیونکہ قرآنِ مجید میں ہے، فاغسلوا وجوھکم وایدیکم (الی الآخر) " دھو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو " اکثر حضرات نے اتفاق کیا اور قاضی شہر کا فیصلہ درست قرار دیا، قاضی شہر کا نام احمد بن داؤد تھا۔ معتصم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے کہا کہ مجھ سے نہ پوچھ بلکہ مجھ کو معذور رکھ۔ معتصم نے کہا نہیں قسم بخدا آپ ضرور بتائیں کہ حقیقت کیا ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ دونوں گروہوں نے غلطی کی اور خدا اور سنت کو چھوڑ دیا۔ ہاتھ کی چاروں انگلیاں کٹنی چاہئیں ——— معتصم نے کہا: اس کی دلیل؟ آپ نے فرمایا کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ " السجود علی سبعة اعضاءٍ الوجه والید والرکبتین والرجلین "۔ سجدہ سات چیزوں پر ہے۔ چہرہ، دونوں ہاتھ، گھٹنے اور دونوں پیر۔ اگر ہاتھ کو گٹے یا کہنی سے کاٹا جائے گا تو ہاتھ باقی نہ رہے گا کہ وہ اس پر سجدہ کر سکے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے: " ان المساجد للہ " "سجدہ کرنے کی جگہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں"۔

اور جس چیز کو اللہ نے لے لیا اس کو کاٹا نہیں جاتا۔" معتصم اس دلیل سے حیرت زدہ ہو گیا اور اس کا ہاتھ انگلیوں سے کاٹنے کا حکم دیا۔ [1]

ابنِ ابی داؤد کہتا ہے کہ مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی اور میں نے آرزو کی کہ کاش میں زندہ نہ ہوتا ——— تین روز بعد ابنِ ابو داؤد معتصم کے پاس آیا اور کہا کہ خلیفہ کو نصیحت کرنا مجھ پر واجب ہے۔ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ اگر نہ کہوں گا تو داخلِ جہنم ہوں گا۔ معتصم نے پوچھا کہ وہ بات کیا ہے؟ ابو داؤد نے جواب دیا کہ آپ نے اپنی مجلس میں تمام فقہا اور علمار کو جمع کیا تاکہ فتویٰ لیں ایک ایسے امر میں جو کہ امورِ دینی میں سے ہے۔ انھوں نے فتویٰ دیا ایسی مجلس میں کہ تمام وزرار، کاتبین اور قرار حاضر تھے لیکن خلیفہ نے ان تمام کے قول کو مسترد کر دیا اور ایک ایسے شخص کے قول کو اختیار کیا جس کی امامت کا ایک گروہ معترف ہے اور اس کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتا ہے۔ یہ آپ کے حق میں بہتر نہ ہوگا ——— یہ سنکر خلیفہ کا چہرہ متغیر ہوا اور کہا کہ اللہ تجھے اس نیک مشورہ پر جزائے خیر دے۔

چوتھے روز اس نے امام محمد تقی علیہ السلام کو زہر دینے کا حکم دیا اور آپکو زہر دے دیا گیا اور آپ شہید ہو گئے۔ [2]

---

[1] جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۲۹۵۔ منتخب التواریخ صفحہ ۷۴۳۔ مجموعۂ زندگانی چہاردہ معصومینؑ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۵۴۰۔

[2] منتخب التواریخ۔ صفحہ ۷۴۳۔ جلاء العیون جلد ۲۔ صفحہ ۲۹۶۔ ابن الوردی جلد ۱ صفحہ ۲۰۳۔ سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲۔ صفحہ ۴۶۷۔

امام علیہ السّلام کی شہادت

معتصم ام الفضل کا چچا تھا اور فی الوقت زمام حکومت اس کے ہاتھ میں تھی، کیونکہ وہ مامون کے انتقال کے بعد خلیفہ بن چکا تھا۔ گو کہ مامون نے مرتے وقت معتصم کو اہلبیت سے اچھا سلوک کرنے کی ترغیب دی تھی اور وصیت کی تھی لیکن مامون کے انتقال کے بعد اُس نے یہ سب کچھ بھلا دیا۔ دوسری طرف اُم الفضل کے شکایتی خطوط دوبارہ اپنے چچا معتصم کے پاس جانا شروع ہو گئے۔ اور ۲۲۰ھ میں معتصم نے امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد طلب کر لیا[1] اور بغداد پہونچتے ہی آپؑ کو قید کر لیا گیا۔ اور آپ ایک سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

اثبات الوصیۃ میں مسعودی نے لکھا ہے کہ "وقتیکہ حضرت جوادؑ با زوجہ اش (ام الفضل دختر مامون) از مدینہ بعراق آمد، معتصم و برادر ام الفضل (جعفر) عقب بہانہ می گشتند کہ حضرت جوادؑ را بقتل برسانند وقتیکہ مطلع شدند کہ زوجۂ آنحضرتؑ ام الفضل از آنحضرتؑ منحرف شد بواسطہ ترجیح دادن حضرت جوادؑ والدۂ ماجدہ حضرت ہادیؑ را بر آن ملعونہ و آنکہ از آن مخدرہ اولاد بود جواد آمد و از آن ملعونہ بوجود نیامد۔"[2]

جب حضرت جوادؑ مدینہ سے اپنی زوجہ ام الفضل بنت مامون کے ہمراہ عراق تشریف لائے تو معتصم اور ام الفضل کے بھائی جعفر نے حضرت جوادؑ کے قتل کے بہانے تلاش کرنا شروع کر دیئے جبکہ انھیں معلوم ہوا کہ آپؑ کی زوجہ ام الفضل بنت مامون آپ سے برگشتہ ہے کیونکہ حضرت جوادؑ ام الفضل پر حضرت امام علی نقیؑ

---

[1] جلاء العیون۔ جلد ۲ صفحہ ۳۹۴

[2] بحوالہ منتخب التواریخ صفحہ ۴۴۳

علیہ السّلام کی والدہ کو ترجیح دیتے تھے اور اُن محترمہ سے اولاد بھی ہوئی تھی جبکہ بنتِ مامون لاولد تھی ——— اس کے بعد مسعودی نے لکھا ہے کہ " معتصم اور جعفر بن مامون نے اُم الفضل سے کہا تھا کہ آپ کو زہر دیدے۔ چنانچہ اُس ملعونہ نے انگوروں میں زہر دیدیا اور خود سامنے بیٹھی رہی۔ جب حضرتؑ کی حالت متغیر ہوتے دیکھی تو وہ گریہ و بُکا کرنے لگی۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ تو کیوں رو رہی ہے حالانکہ تو نے مجھے زہر دیا۔ قسم بخدا اللہ تو تجھے ایسے فقر میں مبتلا کرے گا جو آسودگی سے نہیں بدلے گا اور ایسی بیماری میں مبتلا کرے گا جو لا دوا ہو گا۔" وہی ہوا جو کہ امام علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اس کی ایک ایک چیز علاج کے پیچھے ختم ہو گئی لیکن مرض دُور نہ ہوا اور حالتِ گرسنگی میں وہ پاگل ہو کر مری۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کے جسم کے انتہائی بدترین حصہ میں ناسور ہو گیا تھا۔ [1]

امامؑ کا قاتل کون تھا ؟

آئیے اس امر پر تھوڑی سی روشنی ڈالیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا قاتل کون تھا ؟ تاریخ اِس بات پر شاہد ہے کہ آپ کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔ مامون عرب اور عجم کی حمایت حاصل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے پہلے تو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو اور اُن کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنے قریب کیا۔ لیکن معتصم ان تمام مصلحتوں سے عاری تھا جو مامون کے پیشِ نظر تھیں۔ معتصم کو پہلے تو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا داغ دل پر اٹھانا پڑا، پھر آپؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی دامادی اس کے لئے وجہ

---

[1] جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ ۔ منتخب التواریخ صفحہ ۴۴۳ ۔

بغض وعناد بنیں۔ معتصم نے عرب وعجم کسی کی پرواہ نہیں کی اور ترکوں کو مسلط کرنے کی کوشش کی۔ علامہ خضری نے لکھا ہے کہ :۔

واستغنی عن جیوش العرب بمرۃ واسقطھم کافۃ من الدواوین، بحیث لم یبق مرتزق لعھدہ الامن کان من الاتراک۔ [۱]

"اس نے عرب فوجوں سے مکمل بے نیازی حاصل کرلی۔ دفاتر سے انھیں نکال دیا۔ معتصم کے عہد میں کوئی عرب وظیفہ یاب باقی نہ رہا۔ ہر طرف ترک چھائے ہوئے تھے۔"

چنانچہ ترکوں کا زور اس عہد میں بڑھ گیا تھا اور عرب وعجم اس کے مخالف ہو گئے تھے۔ اسی عہد میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مرجعیت و مقبولیت کی خبریں پہونچ رہی تھیں۔ معتصم کی بھتیجی ام الفضل کے شکایتی خطوط مسلسل آرہے تھے۔ یہ سب باتیں اس امر کے لئے بالکل کافی ہیں کہ امام علیہ السلام کو وہ اپنے راستہ سے ہٹادے۔ اس پر مستزاد یہ کہ امامؑ نے بھرے دربار میں قاضی القضاۃ کے فیصلہ کو غلط ثابت کردیا اور قاضی القضاۃ نے بعد میں جس پہلو کی طرف معتصم کو توجہ دلائی وہ بھی بنوعباس کے لئے ابتدائی عہد ہی سے مسئلہ بنا ہوا تھا۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ معتصم اور جعفر بن مامون نے ام الفضل کو تیار کیا تھا کہ وہ امام محمد تقی علیہ السلام کو زہر دیدے۔ جس کا حال ہم تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ دوسری روایت اس بارے میں وہ ہے جس کو علامہ مجلسیؒ نے جلاء العیون میں درج کیا ہے۔ "جب قاضی نے اس طرف معتصم کی توجہ مبذول کرائی کہ اس سے بنوعباس کی خلافت کو خطرہ لاحق ہوجائے گا تو معتصم نے دوسرے روز ایک وزیر کے محرر کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم امام محمد تقیؑ کو اپنے گھر میں

---

[۱] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، محمد الخضری صفحہ ۲۲۷

دعوت دو اور ان کے کھانے میں زہر ملا دو ۔ اس نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور اس نے دعوت کے بہانے سے امام علیہ السلام کو مدعو کیا ۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں تمھاری (یعنی اہلِ اقتدار اور وابستگان دربار) محفلوں میں شرکت نہیں کرتا ہوں لہٰذا تم مجھے معذور سمجھو ۔ اس نے کہا کہ میری محفل میں کوئی امر آپ کی طبع کے خلاف نہ ہوگا ۔ غرض تو آپ کو کھانا کھلانے سے ہے اور خلیفہ کا ایک وزیر بھی آپ سے ملاقات کا خواہاں ہے ۔ اس مجبور نے بہت اصرار کیا یہاں تک کہ حضرتؑ جانے پر تیار ہو گئے ۔ آپؑ اس کے گھر تشریف لے گئے اور ایک لقمہ تناول کیا ہی تھا کہ گلے میں زہر کا اثر پایا اور آپؑ اٹھ کھڑے ہوئے ۔ وہ مجبور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ ابھی نہ جائیے ۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ جو سلوک تم نے مجھ سے کیا ہے اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ میں اپنے گھر چلا جاؤں ۔ آپ فوراً گھر تشریف لائے اور سارا دن ساری رات بے چین رہ کر انتقال فرما گئے[۱] " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ۔ لیکن یہ روایت قدرے ضعیف ہے ، اور اوّل الذکر زیادہ قابلِ اعتماد ہے ۔ زہر چاہے کسی کے بھی ذریعہ دیا گیا ہو یہ بات طے ہے کہ آپ کی شہادت زہر سے واقع ہوئی ۔ ذیل میں چند حوالے اس سلسلہ میں پیش کرتا ہوں ۔

علامہ شبلنجی نے نور الابصار میں لکھا ہے کہ " انہ مات مسموماً "[۲] آپ زہر سے شہید ہوئے ۔ علامہ نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ آپ زہر سے شہید ہوئے یقیناً معتصم نے آپ کو زہر دلوایا[۳] علامہ طبرسی نے بھی یہی لکھا ہے[۴] ملا مبین فرنگی محلی نے لکھا ہے کہ معتصم عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا[۵] علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے

---

۱ جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۳۹۹ ۲ نور الابصار صفحہ ۳۸

۳ انوار النعمانیہ صفحہ ۳۸۳ ۔ جلد اوّل

۴ اعلام الوریٰ ۔ جلد ۲ ۔ صفحہ ۲۰۵ ۔ کتبہ حقیقت تبریز ، ایران

۵ وسیلۃ النجاۃ ۔ صفحہ ۲۹۷

کہ "اِنہ سمہ ایضاً" اس نے انھیں بھی زہر دیا[1]

روضۃ الواعظین میں ہے کہ آپ کو بغداد بلا کر زہر سے شہید کیا گیا۔ ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ آپ کو معتصم نے زہر دیا۔ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ زہر سے شہید ہوئے۔ (بحوالہ اعیان الشیعہ ۲/۴ صفحہ ۱۷، مطبوعہ مطبعۃ الانصاف بیروت ۱۹۶۰ء)

علامہ مرتضیٰ نے عیون المعجزات میں لکھا ہے کہ معتصم نے ابی جعفر علیہ السلام (امام محمد تقیؑ) کے قتل کی تدبیر کی اور مامون کی بیٹی کو اشارہ کیا کہ وہ انھیں زہر دیدے کیونکہ وہ آپ سے ابی جعفر علیہ السلام (امام محمد تقیؑ) سے چھڑانا چاہتا تھا۔ امام علیہ السلام امّ ابی الحسن کو جن کے بطن سے آپ کے صاحبزادے علیؑ تھے، مامون کی بیٹی پر توقیر دیتے تھے۔ ام الفضل اس وجہ سے بہت جلتی تھی۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ چنانچہ معتصم کے اشارہ پر اس نے جواب دیا اور انگوروں میں زہر ملا کر امامؑ کو دیدیئے۔ جب آپ نے وہ انگور کھالئے تو اس نے ندامت ظاہر کی اور بظاہر رونے لگی۔ عبدالعزیز بن الاخضر الجنابذی کہتے ہیں کہ آپ کی زوجہ ام الفضل بنت مامون معتصم کے قصر میں داخل ہوئی اور حرم میں شامل ہو گئی۔ (بحوالہ اعیان الشیعہ ۲/۴ صفحہ ۱۷، مطبوعہ مطبعۃ الانصاف ۱۹۶۰ء بیروت)

اِس سلسلے میں بے شمار حوالے پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن طوالت کے خوف سے حذف کیا جاتا ہے۔

---

[1] جلاء العیون۔ جلد ۲، صفحہ ۳۹۹

تاریخِ شہادت

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی تاریخِ شہادت کے بارے میں اختلاف ہے۔
علامہ مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آخر ذیقعدہ ۲۲۰ھ میں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ بعض نے روز شنبہ ۶ ذی الحجہ لکھی ہے۔[۱]

کتاب دلائل حمیری میں ہے کہ بروز سہ شنبہ ۶ ذی الحجہ کو آپ نے وفات پائی۔
باتفاقِ علماء شہادت بغداد میں واقع ہوئی اور جدِ بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوئے۔[۲]

مطالب السئول میں ہے کہ "مات فی ذی الحجۃ عن سنۃ مأتین و عشرین للھجرۃ فی خلافۃ المعتصم"[۳] ذی الحجہ ۲۲۰ھ میں معتصم کے زمانے میں شہادت ہوئی۔

علامہ ابن طولون نے لکھا ہے کہ "توفی سنۃ تسع عشرۃ و مأتین ببغداد و دفن عند جدہ موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق رضی اللہ عنہم فی مقابر قریش۔ وصلی علیہ الواثق بن المعتصم"[۴] ۲۱۹ھ میں بغداد میں فوت ہوئے اور اپنے دادا موسیٰ الکاظمؑ بن جعفر الصادقؑ کے پاس دفن ہوئے۔ مقابرِ قریش میں ان کی نمازِ جنازہ واثق بن المعتصم نے پڑھائی۔

یاقوتِ حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ بغداد میں ایک مقبرہ اور محلہ ہے اور یہیں موسیٰ بن جعفر الصادق اور ان کے صاحبزادے الجواد علیہما السلام کی قبریں ہیں۔ جب منصور نے اس شہر کی بنیادیں رکھیں تو اسے مقبرہ قرار دیا۔[۵]

---

[۱] جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ [۲] ایضاً [۳] مطالب السئول صفحہ ۲۹۱
[۴] سیرۃ الآئمۃ الاثنا عشر صفحہ ۱۰۴ [۵] معجم البلدان جلد ۵

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ماہ ذی القعدہ میں وفات بیان کی ہے (الارشاد ص۳۶۹) میرے نزدیک زیادہ درست روایت ۲۹ ذیقعدہ ۲۲۰ھ ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی ازواج واولاد

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی دو بیویاں معلوم ہیں:۔ (۱) سمانۃ المغربیہ۔ (۲) ام الفضل بنتِ مامون۔ ان کے علاوہ دیگر بیویوں کے نام معلوم نہیں۔ صرف پہلی بیوی سے اولاد ہوئی۔ مشہور یہ ہے کہ آپ کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں " وخلف بعدہ من الولد علیا ابنہ الامام من بعدہ وموسیٰ وفاطمہ وامامۃ ابنتیہ ولم یخلف ذکرا غیر من سمیناہ " [۱] ہمارے نزدیک امامؑ نے اپنے بعد دو بیٹے چھوڑے ایک تو وہ جو امامؑ ہوئے (یعنی امام علی نقیؑ) اور دوسرے موسیٰ اور دو بیٹیاں فاطمہ اور امامہ اور جن دو بیٹیوں کا ذکر ہم نے کیا ہے ان کے علاوہ کوئی بیٹا نہ چھوڑا۔

علامہ ابنِ شہر آشوبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: واولادہ علی الامام وموسیٰ وحکیمۃ وخدیجۃ وام کلثوم وقال ابوعبداللہ الحارثی خلف فاطمہ وامامہ فقط [۲] آپ کی اولادوں میں حضرت امام علی نقیؑ اور موسیٰ اور حکیمہ اور خدیجہ اور ام کلثوم تھیں۔ ابوعبداللہ الحارثی کہتے ہیں کہ بیٹیوں میں صرف فاطمہ اور امامہ چھوڑیں۔ اس سلسلہ میں شیخ مفید کا ارشاد ہی قابلِ قبول ہے اور اسی کو علماء تسلیم کرتے ہیں۔ [۳]

---

[۱] الارشاد جلد ۲ صفحہ ۳۶۹ [۲] کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۳۸۰ طبع بمبئی۔ [۳] صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳۔ اعلام الوریٰ طبرسیؒ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۔ نور الابصار شبلنجی صفحہ ۱۶۳۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۳۶۶ جلد ۱۔ روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۸۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ صفحہ ۳۴۶

موسیٰ المبرقعؑ

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھ حقیر کو دسویں امام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ پر بھی کتاب تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ذیل میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے موسیٰ المبرقعؑ کا مختصر تذکرہ پیش کرتا ہوں، ان کی اولاد اپنے کو "رضوی" کہتی ہے۔

تذکروں میں لکھا ہے کہ موسیٰ اپنے حسن کی وجہ سے چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے، اس لئے انھیں موسیٰ مبرقع کہا جاتا تھا، انھیں "بدر مشعشع" چمکتا چاند کہتے تھے۔

آپ ۱۰ رجب المرجب ۲۱۷ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ پھر ۲۵۰ھ میں کوفہ تشریف لائے۔ پھر ۲۵۶ھ میں وہاں سے منتقل ہو کر قم ایران میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کے تین فرزند تھے۔ سید محمد، سید عمران اور سید احمد۔ جناب موسیٰ مبرقع کی نسل سید احمد سے چلی۔ ملا واعظ کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں کہ عقبِ مبرقع از سید احمد است وعقبِ سید احمد از محمد الاعرج است [1] یعنی مبرقع کی نسل سید احمد اور سید احمد کی نسل محمد اعرج سے چلی۔ سید احمد کے تین صاحبزادے تھے۔ سید صالح، سید جلیل، سید محمد اعرج، سید محمد اعرج کے فرزند ابو عبداللہ سید احمد نقیبِ قُم یعنی نگرانِ اعلیٰ تھے (ملاحظہ اعیان الشیعہ) جناب موسیٰ المبرقع کا انتقال ۲۹۲ھ میں ہوا، ان کی قبر مبارک قُم میں مشہور و معروف ہے۔ (منتخب التواریخ صفحہ ۲۷)

ابو عبداللہ سید احمد نقیب قُم کو "نقیب" کہنے کی ایک اور وجہ علماء نے بیان کی ہے۔ صاحبِ منتخب التواریخ حاج محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی بیان کرتے ہیں کہ نقیب اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے نسب اور خاص طور پر انساب بنی ہاشم کا

---

[1] روضۃ الشہداء جلد ۲ صفحہ ۴۳۸ [2] جناب موسیٰ المبرقع کی ذریت کی تاریخ پر ایک کتاب بدرِ مشعشع در حال ذریۂ موسیٰ مبرقع بمبئی سے شائع ہوئی تھی۔

عالم ہو تا کہ ذوی القربیٰ کو پہچانے اور جو لوگ نسب سے خارج ہیں انھیں نسب میں داخل نہ ہونے دے۔ (منتخب التواریخ صفحہ ۲۷) جناب موسیٰ المبرقع اپنے والدِ محترم حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے احادیث کے راوی بھی ہیں۔ ان کی ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں :۔

استاذ الفقہاء فی عصرہٖ خاتمۃ المحدثین آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج المیرزا حسین النوری الطبرسیؒ نے مستدرک الوسائل الشیعہ میں یہ حدیث تحریر کی ہے :۔

نقلاً عن الجعفر قال اخبرنا عبد اللہ عن محمد قال حدثنی موسیٰ المبرقع حدیثا ابی عن ابیہ عن جدہ جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ علی بن الحسین عن ابیہ عن علی بن ابی طالب علیھم السلام قال قال رسول اللہ ؐ حلق اللحیۃ من المثلۃ ومن مثل فعلیہ لعنۃ اللہ

(مستدرک الوسائل باب ان حلق اللحیۃ من المثلہ)

عبد اللہ ۔ محمد ۔ موسیٰ المبرقع ۔ امام محمد تقیؑ ۔ امام علی رضاؑ ۔ امام موسیٰ کاظمؑ ۔ امام جعفر الصادقؑ ۔ امام محمد باقرؑ ۔ امام زین العابدینؑ ۔ امام حسینؑ ۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ داڑھی کا منڈوانا مثلہ کرنا ہے اور جس نے مثلہ کیا اس پر خدا کی لعنت ہو۔

اِس حدیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ داڑھی رکھیں ورنہ خدا تم کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔

امام علیہ السلام کی علمی خدمات

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تمام ائمہ اطہار میں سب سے کم سن تھے جیسا کہ ہم گذشتہ اوراق میں بتا چکے ہیں کہ وقتِ شہادت حضرتؑ کی عمر محض ۲۵ سال تھی جس وقت آپ کے والدِ ماجد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی اور آپؑ امامِ ناطق بنے اس وقت آٹھ سال عمرِ مبارک تھی ۔ اسی عمر میں مامون نے آپ کو بلا لیا اور اپنی بیٹی اُم الفضل سے تزویج کی ۔ آپ کا یوں تو ہر لمحہ تبلیغِ دین میں صرف ہوتا تھا لیکن آپ کو باقاعدہ درس و تدریس کے مواقع اُس وقت میسر آئے جب آپ اُم الفضل بنتِ مامون کو لے کر واپس مدینہ تشریف لے آئے یہاں آپ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہوتے تھے اور اصحاب آپ سے تحصیلِ علم کرتے تھے ان میں چند کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے :

۱ - ایوبؒ بن نوح بن دراج الکوفی :- کشی نے اپنی کتاب الرجال میں لکھا ہے کہ آپ صالحین میں سے تھے اور امام تقی الجواد اور امام علی نقی الہادی علیہما السّلام کے وکلاء میں سے تھے ۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ بہت مالدار تھے لیکن جب انتقال کیا تو صرف ایک سو پچاس دینار چھوڑے لہ

علامہ حرالعاملی نے خاتمہ الوسائل الشیعہ میں لکھا ہے کہ :- ایوب بن نوح بن دراج النجفی ، ثقۃ لہ کتب ، وکان وکیلا لابی الحسن وابی محمد علیہما السّلام ، عظیم المنزلۃ عندھما ، مأموناً ، شدید الورع ، کثیر

عہ تفصیلی تذکرہ کے لئے نجاشی ۷۲ ۔ الفہرست ۳۰ ۔ خلاصۃ الرجال ۷ ۔ جامع الرواۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ ۔

لہ سیرۃ الائمۃ الاثنا عشر جلد ۲ صفحہ ۴۵ ،

العبادة، ثقة فی روایة، قال النجاشی والعلامة، ووثقه الشیخ فی اصحاب الرضا والجواد علیهما السّلام، وروی الکشی له مدحاً جلیلاً، وتوثیقاً۔ [1]

ایوب بن نوح بن دراج النخعی، یہ ثقہ ہیں ان کی کئی کتابیں ہیں۔ آپ ابی الحسن الرضاؑ اور ابو محمد الجوادؑ کے وکیل تھے، ان دونوں کے نزدیک عظیم منزلت کے حامل تھے، مؤمن تھے، بہت متقی تھے، عبادت کثرت سے کرتے تھے۔ اپنی روایات میں ثقہ سمجھے جاتے ہیں۔ علامہ نجاشیؒ اور علامہ حلیؒ نے انھیں ایسا ہی کہا ہے۔ شیخ طوسیؒ نے انھیں امام علی رضاؑ اور امام الجوادؑ کے ثقہ اصحاب میں شمار کیا ہے اور کشیؒ نے ان کی بہت مدح اور توثیق کی ہے۔

۲۔ **جعفر بن محمد بن یونس الاحول** [4]:۔ یہ امام محمد تقی علیہ السلام اور آپ کے والدِ محترم امام رضا علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، آپ ان کے اصحاب میں سے ہیں، علمائے رجال نے ان کو علم وفضل سے متصف کیا ہے اور ائمہ کے اصحاب میں مؤلفینِ صحابہ میں شمار کیا ہے [2]

علامہ حر العاملیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جعفر بن محمد بن یونس الاحول من اصحاب الرضا علیہ السلام، ثقة قال العلامة، ووثقه الشیخ ایضاً، وذکره فی اصحاب الجواد والهادی علیهما السّلام [3] جعفر بن محمد بن یونس الاحول، امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں ہیں۔ علامہ حلی نے لکھا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔ شیخ طوسیؒ نے بھی انھیں ثقہ قرار دیا ہے اور انھیں امام محمد تقی اور امام علی النقی علیہما السلام کے اصحاب میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] وسائل الشیعہ، خاتمۃ جلد ۲۰ صفحہ ۱۳۵ [2] سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲ صفحہ ۴۵۷

[3] وسائل الشیعہ، خاتمۃ جلد ۲۰ صفحہ ۱۵۶ [4] تفصیلی تذکرہ کے لئے نجاشی ۸۴، خلاصہ ۴۶۔ الفہرست ۶۸۔ جامع الرواۃ جلد ۱ صفحہ ۱۶۳

۳۔ **علی بن مہزیار الاھوازی**[ع] : آپؑ کے خاص اصحاب اور رواۃ میں سے ہیں۔ مؤلفین نے انھیں وثاقت، جلالت، اور وسعتِ معرفت سے متصف کیا ہے۔ اس کے بعد مؤلفین نے ابی جعفر ثانی (امام محمد تقی) علیہ السلام کے خاص اصحاب اور وکلاء میں شمار کیا ہے، آپ نے مختلف موضوعات پر ۳۳ کتابیں لکھیں جیسا کہ علمائے رجال نے تحریر کیا ہے۔[۱]

آیۃ اللہ حسن الصدر نے لکھا ہے کہ: "علی بن مہزیار الاھوازی ابو الحسن حدیث و تفسیر میں ائمۂ علم میں سے ہیں۔ انھوں نے ان دونوں علوم میں کتابیں بھی لکھیں۔ آپ ابو الحسن الرضاؑ اور ابی جعفر الثانی علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں۔" بعض علاقوں میں آپ دونوں اماموں کے وکیل بھی رہے ہیں۔ انھوں نے کتاب تفسیر القرآن بھی لکھی ہے۔ اصحاب کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔[۲]

علامہ حر العاملیؒ نے تحریر کیا ہے کہ امام علی رضاؑ اور امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں لیکن امام محمد تقی علیہ السلام کے خاص اصحاب میں سے ہیں۔ انھوں نے بعض علاقوں میں آپ کی وکالت بھی کی اور ان علاقوں میں آپ کی عظمت کو بڑھایا۔ اسی طرح امام ابو الحسن الثالث یعنی امام علی نقی علیہ السلام کی بھی بعض علاقوں میں وکالت کی۔ انھوں نے ان علاقوں کے شیعوں کے لئے بہت سی توقیعات حاصل کیں (ان توقیعات کا تذکرہ میں بعد میں کروں گا)۔ وہ اپنی روایات میں ثقہ ہیں، ان پر کسی قسم کا کوئی طعن نہیں ہے۔ صحیح الاعتقاد تھے۔ نجاشی نے اور علامہ حلیؒ نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ ابن شہر آشوبؒ نے بھی انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔

ع۔ تفصیلی تذکرہ نجاشی ص ۱۷۵۔ خلاصہ ص ۴۵۔ فہرست ص ۱۱۴۔ شیخ ص ۳۸۱۔ ص ۴۰۳۔ جامع الرواۃ ص ۶۰۴۔ معالم ص ۳۵۹۔

۱۔ سیرۃ الائمۃ الاثنا عشر جلد ۲ صفحہ ۴۵۸

۲۔ تاسیس الشیعہ صفحہ ۳۳۰

شیخ طوسیؒ نے لکھا ہے کہ آپ جلیل القدر اور وسیع روایات کے حامل ہیں اور ثقہ ہیں۔
کشیؒ نے ان کی بہت مدح کی ہے [1]

۴۔ علی بن اسباط بن سالم بیاع الزطی ابو الحسن المقری [عہ]: آیۃ اللہ حسن الصدرؒ

نے تحریر کیا ہے کہ آپ ثقہ ہیں، آپ کی کتاب تفسیر القرآن ہے۔ آپ حدیث اور تفسیر کے اہلِ علم میں سے ہیں۔ نجاشیؒ کہتے ہیں، آپ لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور سچے تھے۔ علامہ حلیؒ نے خلاصۃ میں انھیں ثقہ قرار دیا ہے، آپ امام علی رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی الجواد علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کے طبقہ کے حضرات آپ سے تعلیم حاصل کرتے تھے [2]

ہاشم معروف الحسینی نے لکھا ہے کہ بعض مؤلفینِ رجال کہتے ہیں کہ یہ پہلے فرقہ افطحیہ پر تھے بعد میں یہ امام حقیقی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت پر ایمان لائے۔ اور آپ امام علی رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں۔ شیخ محمد طہٰ نے اتقان المقال میں لکھا ہے کہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے اور قابلِ اعتماد تھے۔ [3]

علامہ حر العاملیؒ نے لکھا ہے کہ وہ فرقہ افطحیہ پر تھے بعد میں اس قول سے رجوع کرلیا اور اُس عقیدہ کو ترک کر دیا۔ نجاشیؒ نے لکھا ہے کہ بہت ثقہ اور سچے تھے۔ کشیؒ نے لکھا ہے کہ انھوں نے قول سے رجوع نہیں کیا۔ نجاشی کا قول زیادہ قابلِ اعتماد ہے

عہ تفصیل النجاشی صـ۱۷۷۔ خلاصۃ صـ۴۹۔ شیخ صـ۳۸۲۔ جامع الرواۃ جلد۱ صـ۵۵۴ الفہرست صـ۱۱

[1] وسائل الشیعۃ جلد۲۰ صفحہ ۲۷۱

[2] تاسیس الشیعہ صـ۳۲۹

[3] سیرۃ الائمۃ اثنیٰ عشر جلد۲، صـ۳۵۸

اور ان کے صحیح العقیدہ ہونے کا ثبوت اور شہادت ہے۔ علامہ حلیؒ نے یہ دونوں قول لکھے ہیں اور کہا ہے کہ میں ان کی روایات پر اعتماد کرتا ہوں۔ شیخ طوسیؒ نے لکھا ہے کہ ان کی ایک کتاب اصلؒ بھی ہے (یعنی اصول اربعمائۃ میں شامل ہے، یہ وہ چارسو کتابیں ہیں جو ائمہؑ کے عہد میں لکھی گئیں)

۵۔ حسین بن سعید الاہوازیؒعہ : آپ نے بھی امام محمد تقی علیہ السّلام سے روایت کی ہے۔ شیخ طوسیؒ نے فہرست میں لکھا ہے کہ آپ امام علی رضاؑ، امام محمد تقیؑ اور امام علی نقی علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے تیس کتابیں لکھیں۔ بعض مؤلفین نے لکھا ہے کہ آپ کے بھائی حسن بن سعید بھی ان کتابوں کی تالیف میں شریک تھے[۲]۔

علماء نے لکھا ہے کہ ان کی ایک کتاب تفسیر القرآن ہے۔ آپ ان مصنفین میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے بہت زیادہ کتابیں لکھیں[۳]۔ ابن ندیم نے الفہرست میں لکھا ہے کہ حسن و حسین اہوازی سعید کے بیٹے تھے۔ یہ اہل کوفہ سے تھے، ان کا شمار غلامانِ علی بن حسین اور پیروانِ امام علی رضا علیہ السلام میں ہوتا ہے۔ اپنے زمانہ میں فقہ و آثار و مناقب وغیرہ علومِ شیعہ کے بہت وسیع معلومات کے حامل تھے۔ حسن و حسین سعید بن حماد بن سعید کے بیٹے ہیں جو ابوجعفر بن رضاؑ کی صحبت میں بھی رہے۔ حسین بن سعید الاہواز کے مصنفات یہ ہیں:

کتاب التفسیر، کتاب التقیۃ، کتاب الایمان والنذر، کتاب الوضوء،

عہ تفصیل النجاشی ص۱۸۲۔ رجال الشیخ ۳۷۲۔ ۳۹۹۔ ۳۱۲۔ خلاصہ ص۲۵۔ جامع الرواۃ جلد۱ ص۲۴۱۔ الفہرست ۸۳۔

۱؎ وسائل الشیعہ جلد۲۰ صفحہ ۲۵۷

۲؎ سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد۲ صفحہ ۴۵۸

۳؎ تاسیس الشیعہ ص۳۲۸

کتاب الصلوٰۃ ، کتاب الصیام ، کتاب النکاح ، کتاب الطلاق ، کتاب الاشربۃ ، کتاب الرد علی الغالیۃ ، کتاب الدعا ، کتاب العتق والتدبیر۔ [1]

حسین بن سعید الاہوازی ، ثقہ۔ جلیل القدر ہیں۔ امام علی رضا ، امام محمد تقی ، اور امام علی نقی علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں۔ شیخ طوسیؒ اور نجاشیؒ نے بھی انھیں ثقہ لکھا ہے [3] علامہ کشی نے صفحہ ۳۶۱ پر ان کا حال مختصراً لکھا ہے۔

آپ کے اصحاب میں شاذان بن خلیل النیشاپوری ، نوح بن شعیب البغدادی ، محمد بن احمد المحمودی ، ابو یحییٰ جرجانی ، ہارون بن حسن بن محبوب ، اسحاق بن احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی ، احمد بن محمد بن خالد برقی ، ابی الفضل عمی ، احمد بن محمد بن عیسیٰ ، عثمان بن سعید ، حسین بن مسلم بن حسن ، مختار بن زیاد عبدی بصری ، محمد بن حسین بن ابی الخطاب ، محمد بن احمد محمودی ، ابو القاسم ادریس قمی ، علی بن محمد ، ابو علی بن ہلال ، عبد اللہ بن محمد حسینی۔

۶۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ [عہ] :

آپ امام علی رضا ، امام محمد تقی اور امام علی نقی علیہم السلام کی خدمت میں حاضر رہے۔ آپ کی تالیفات میں کتاب التوحید ، کتاب فضل النبیؐ ، کتاب المتعہ ، کتاب النوادر ، کتاب الناسخ والمنسوخ ، کتاب الاظلہ ، کتاب المنسوخ ، کتاب فضائل العرب اور کتاب الحج۔ [2]

۷۔ احمد بن محمد بزنطی [عہ] :

احمد بن محمد بن عمرو بن ابی نصر زید۔ یہ کوفی تھے۔ مولی السکونی اور بزنطی کے نام سے معروف ہیں۔ آپ

---

[1] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۳۲۳ [2] وسائل الشیعہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۷۵

[3] رجال نجاشی صفحہ ۵۹ ، فہرست طوسی ۴۲

عہ تفصیل کے لئے خلاصۃ الرجال ص۸ ۔ جامع الرواۃ جلد ا ص۵۹ ۔ وسائل الشیعہ جلد ۲۰ ۔ صفحہ ۱۳۲

عہ تفصیل کے لئے الفہرست ۳۳ ۔ خلاصہ ۸ ۔ جامع الرواۃ جلد ا صفحہ ۵۹ ۔ وسائل الشیعہ ج ۲۰ ۔ صفحہ ۱۳۰۔

امام علی رضا اور امام اور امام محمد تقی علیہ السلام کے عہد میں آپ حضرات سے مستفید ہوئے۔ آپ کی کتابیں مدتوں رائج رہیں۔ آپ کی کتاب "الجامع" نجاشیؒ و طوسیؒ کے عہد میں رائج تھی۔ آپ کی ایک اور کتاب "النوادر" مدتوں رائج رہی ہے۔[۱]

۸۔ محمد بن ابی عمیرؒ [عـہ] امام محمد تقی علیہ السلام کے اصحاب میں ہیں۔ آپ نے آلِ محمدؐ کی نصرت میں بہت مصیبتیں اٹھائیں[۲]۔ امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا اور امام محمد تقی علیہم السّلام کا زمانہ پایا۔ نجاشی نے لکھا ہے کہ ان کی کتابیں ۹۴ تھیں جو مامون کے عہد میں ضائع ہوگئیں۔ ان کی بہن سعیدہؒ نے جو خود بھی محدثہ تھیں کچھ کتابیں محفوظ کرلیں جو بعد میں علماء کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ یہ کتابیں درس میں بھی شامل تھیں۔ انھوں نے ۲۱۷ھ میں وفات پائی۔[۳] (سعیدہ کے لئے دیکھئے کشی صفحہ ۳۱۲)

آپؑ سے نقل کرنے والے راوی

علامہ محسن الامین نے تحریر کیا ہے کہ: مناقب میں ہے کہ آپؑ کے دربان عثمان بن سعید السمان تھے۔ اور آپؑ سے نقل کرنے والے ثقہ راویوں میں:-

۱۔ ایوب بن نوح بن دراج الکوفی۔

۲۔ جعفر بن محمد بن یونس الاحول۔

---

۱ نجاشی صفحہ ۵۴۔ طوسی صفحہ ۳۶۔ کشی صفحہ ۳۶۲

۲ نجاشی۔ صفحہ ۲۲۹

۳ کشی صفحہ ۳۶۳۔ نجاشی صفحہ ۲۲۹

عـہ تفصیل۔ خلاصہ ص۶۸۔ فہرست صفحہ ۱۶۸۔ شیخ ۳۸۸۔ جامع الرواۃ جلد ۲ ص۵۰

۳۔ حسین بن مسلم بن الحسن۔

۴۔ مختار بن زیاد العبدی البصری۔

۵۔ محمد بن الحسین بن ابی الخطاب الکوفی وغیرہ ہیں۔

آپؑ کے اصحاب میں یہ حضرات رضی اللہ عنہم شامل ہیں :۔

۶۔ شاذان بن خلیل النیشاپوری۔

۷۔ نوح بن شعیب البغدادی۔

۸۔ محمد بن احمد المحمودی۔

۹۔ ابو یحیےٰ الجرجانی

۱۰۔ ابو القاسم ادریس القمی

۱۱۔ علی بن محمد

۱۲۔ ہارون بن الحسن بن محبوب۔

۱۳۔ اسحاق بن اسماعیل النیشاپوری۔

۱۴۔ ابو حامد احمد بن ابراہیم المراغی۔

۱۵۔ ابو علی بن ہلال

۱۶۔ احمد بن ابی نصر البزنطی۔

۱۷۔ احمد بن محمد بن خالد البرقی۔

۱۸۔ ابی الفضل العمی

۱۹۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ

۲۰۔ عثمان بن سعید

۲۱۔ عبد اللہ بن محمد الحصینی

۲۲۔ محمد بن الحسن بن شمون البصری

دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ ان سے مصنفین نے بھی روایتیں کی ہیں جیسے :۔
ابی بکر احمد بن ثابت نے اپنی تاریخ میں ، ابی اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں،
محمد بن مندہ بن مہربذ نے اپنی کتاب میں آپؑ سے روایت کی ہے۔ [1]

امام محمد تقی علیہ السلام
اور امورِ دینیہ سے متعلق آپ کی تشریحات

۱۔ محمد بن ابی عبد اللہ عن محمد بن اسماعیل [1] عن الحسین بن الحسن عن بکر بن صالح عن الحسین بن سعید [2]۔ قال: سُئل ابوجعفر الثانی علیہ السلام : یجوز اَن یقال لِلّٰہ : انہ شیٔ؟ قال : نعم، یخرجہ من الحدّین : حد التعطیل [3] وحدّ التشبیہ [4]۔

(کتاب الکافی ، جلد اول، کتاب التوحید ص۸۲)

ترجمہ : محمد بن ابی عبد اللہ۔ محمد بن اسماعیل ، الحسین بن الحسن ، بکر بن صالح ، الحسین بن سعید کہتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ خدا کوئی شئے ہے؟ فرمایا ہاں۔ دو باتوں سے اسے علاحدہ کر دیا جائے تو جائز ہے۔ (۱) حدالتعطیل (۲) حدالتشبیہ۔

تشریحات : [1] شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب التوحید میں تصریح کی ہے کہ اس سے مراد محمد بن اسماعیل صاحب الصومعۃ ہیں۔

[2] بعض نسخوں میں الحسن بن سعید ہے۔

[3] حدالتعطیل : اس کے معانی اللہ تو سے عدم اثبات الوجود اور عدم اثبات

---

[1] اعیان الشیعہ ۴/۲ ص ۱۶۹ ، ۱۶۸ ۔ ع ۲۰ تا ۱۲ تک اضافہ اعیان سے نہیں دوسری کتب سے ہے۔

صفاتِ کمالیہ و فعلیہ اور صفاتِ اضافیہ ہیں، اور حدالتشبیہ: حقیقتِ صفات اور عوارضِ ممکنات میں ممکنات کے ساتھ اس کے اشتراک کا حکم لگانا ہے۔ (علامہ مجلسیؒ۔ مرآۃ العقول)

٢ - محمّد بن أبی عبد اللّٰہ رفعہ الی ابی هاشم الجعفری قال: كنتُ عند ابی جعفر الثانی علیہ السّلام فسأله رجل فقال: اخبرنی عن الرب تبارك وتعالیٰ له اسماء وصفات[1] فی کتابه؟ واسمائه وصفاته هی هو؟ فقال ابو جعفر علیه السلام: إن لهٰذا الكلام وجهين إن كنت تقول: هی هو أی انه ذو عدد وكثرة فتعالى الله عن ذٰلك وإن كنت تقول، هذه الصفات و الاسماء لم تزل فان لم تزل" محتمل معنيين فان قلت: لم تزل عنده فی علمه وهو مستحقها، فنعم، وإن كنت تقول: لم یزل تصویرها و هجاؤها و تقطیع حروفها فمعاذ اللّٰه أن یکون معه شئ غیره، بل كان اللّٰه ولا خلق، ثم خلقها وسیلة بینه وبین خلقه، یتضرعون بها إليه ولعبدونه وهی ذكره[2] وكان اللّٰه ولا ذكر، والمذكور بالذكر هو اللّٰه القدیم الذی لم یزل۔ والاسماء والصفات مخلوقات، والمعانی والمعنی بها هو اللّٰه الذی لا یلیق به الاختلاف ولا الائتلاف، وانما یختلف وتأتلف المتجزی ءفلا یقال: اللّٰه مؤتلف ولا اللّٰه قلیل ولا کثیر ولکنه القدیم فی ذاته، لأن ما سوی الواحد متجزی و و اللّٰه واحد لا متجزی ولا متوهم بالقلة والكثرة و كل متجزیء او متوهم بالقلة والكثرة فهو مخلوق دال علی

خالق له . فقولك : إن الله قد يخبرت انه لا يعجزه شيء ، فنفيت بالكلمة العجز وجعلت العجز سواه وكذلك قولك : عالم ، انما نفيت بالكلمة الجهل وجعلت الجهل سواه واذا أفنى الله الاشياء أفنى الصورة والهجاء والتقطيع ولا يزال من لم يزل عالماً .

فقال الرجل : فكيف سمينا ربنا سميعاً ؟ فقال : لأنه لا يخفى عليه مايدرك بالأسماع ولم نصفه بالسمع المعقول في الرأس ، وكذلك سميناه بصيراً لأنه لا يخفى عليه ما يدرك بالابصار ، من لون أو شخص أو غير ذلك ، ولم نصفه ببصر لحظة العين ، وكذلك سميناه لطيفاً لعلمه بالشئ اللطيف مثل البعوضة واخفى من ذلك ، وموضع النشوء منها ، والعقل والشهوة للسفاد والحدب على نسلها واقام بعضها على بعض ونقلها الطعام والشراب الى اولادها في الجبال والمفاوز والاودية والقفار ، فعلمنا ان خالقها لطيف بلا كيف . وانما الكيفية للمخلوق المكيف ، و كذلك سميناه ربنا قوياً لا بقوة البطش المعروف من المخلوق ولو كانت قوته قوة البطش المعروف من المخلوق لوقع التشبيه ولاحتمل الزيادة ، وما احتمل الزيادة احتمل النقصان وما كان ناقصاً كان غير قديم وما كان غير قديم كان عاجزاً ، فربنا تبارك و تعالى لا شبه له ولا ضد ولا ند ولا كيف ولا نهاية ولا تبصار بصر ، ومحرم على القلوب ان تمثله ، وعلى الاوهام ان تحده وعلى الضمائر ان تكونه ، جل وعز عن أدات خلقه وسمات

بربیتہ وتعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً۔

(باب الاشتقاق الاسماء) (اصول الکافی، کتاب التوحید، جلد اول صفحہ ۱۱۶،۱۱)

ترجمہ: محمد بن ابی عبد اللہ۔ سند کو بڑھایا ابی ہاشم الجعفری تک، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت ابوجعفر الثانی امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا، ان سے ایک شخص نے سوال کیا، کیا ہمارے رب کے اسماء و صفات اس کی کتاب میں ہیں؟ اور کیا اس کے (خدا کے) اسماء و صفات خود خدا ہیں؟ آپؑ نے فرمایا" اس کلام کی دو جہتیں ہیں۔ اگر تمھارا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کی ذات ہیں تو یہ کہنے سے وہ صاحب عدد و کثرت ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تو اس سے بلند و برتر ہے ۔ اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ صفات و اسماء ہمیشہ سے ہیں تو اس "ہمیشہ سے ہیں" کہنے کے بھی دو معانی ہیں۔ اگر تمھارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے علم میں ہمیشہ سے ہیں اور وہ اسی کا مستحق ہے تو یہ درست ہے ۔ اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ اس کے اسماء و صفات کی تصویر، ہجے اور اس کے حروف کی تقطیع ہمیشہ سے ہے تو خدا کی پناہ جو اس کا کوئی غیر اس کے ساتھ ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا تھا لیکن مخلوق نہ تھی پھر اس نے اسماء و صفات کو اپنی مخلوق اور اپنے درمیان وسیلہ بنا کر خلق کیا تاکہ لوگ اس کے ذریعہ سے خدا کے سامنے فریاد کریں اور اس کی عبادت کریں اور یہ اس کا ذکر ہے ۔ اللہ تھا لیکن اس کا ذکر نہ تھا (یعنی ذکر نے والے اور ذکر کے الفاظ بعد میں خلق ہوئے) اور ذکر سے جو مذکور ہے وہ اللہ ہے، قدیم ہے ہمیشہ سے ہے" اور اسماء و صفات مخلوقات ہیں، اور معانی تو اس کے جو معانی ہیں وہ اللہ ہے جس سے نہ ان کا نہ علاحدہ ہونا اور نہ ہی اکٹھا ہونا لائق ہے ۔ کیونکہ صرف قابل تجزیہ چیز ہی علاحدہ و اکٹھا ہوتی ہے، تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ مؤتلف (یعنی اس میں تمہیں

کئی چیزیں ملی ہوئی ہیں) ہے۔ اور نہ ہی اللہ قلیل ہے نہ کثیر لیکن وہ اپنی ذات میں قدیم ہے کیونکہ "الواحد" کے سوا جو کچھ ہے قابلِ تجزیہ ہے اور اللہ واحد ہے، قابلِ تجزیہ نہیں اور نہ ہی قلت و کثرت کا وہم اس کے بارے میں کیا جا سکتا ہے اور تمام قابلِ تجزیہ چیزیں اور وہ چیزیں جن کے بارے میں قلت و کثرت کا وہم ہو سکتا ہے وہ مخلوق ہوتی ہیں اور جو اس بات پر دلالت کرتی وہ یہ ہے کہ اُن کا کوئی خالق ہے۔ پس تمہارا یہ قول کہ اللہ قدیر ہے اس بات کی خبر دیتا ہے کہ اس کو کوئی چیز عاجز نہیں بناتی، پس تم نے اس سے عجز کے کلمہ کی نفی کر دی اور عجز کو اس سے الگ قرار دے دیا۔ اور اسی طرح تمہارا یہ قول کہ وہ عالم ہے تو تم نے اُس سے کلمۂ جہل کی نفی کر دی اور جہل کو اس سے الگ قرار دے دیا۔ پس جب فنا کرے گا اشیاء کو تو فنا کرے گا اپنے اسماء کی صورت و ہجا و تقطیع کو بھی اور جس کا علم ازلی ہے اس کو زوال نہیں ہوگا۔

اُس شخص نے کہا ہم نے کیسے اپنے رب کو سمیع کا نام دیا؟ آپؑ نے جواب دیا کیونکہ جو کچھ کانوں کے ذریعہ سنا جاتا ہے وہ اس پر مخفی نہیں لیکن ہم اُسے اُس سمع کے ساتھ وصف نہیں کرتے جس کا محل سر سے متصل ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اسے ہم نے بصیر کا نام دیا کیونکہ جو کچھ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے وہ اس سے مخفی نہیں۔ رنگوں میں سے شخصوں میں سے یا اس کے علاوہ، اور نہ ہی ہم اسے وصف کرتے ہیں اُس بصارت سے جو آنکھ کے جھپکنے میں ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اسے "لطیف" کا نام دیا ہے کیونکہ وہ لطیف اشیاء مثلاً مچھر اور اس سے بھی ننھی ننھی چیزوں کا علم رکھتا ہے، وہ اس کے نشو و نما کی جگہ کو افزائشِ نسل کی خواہش کو اور اس کے اپنی نسل پر مہربان ہونے کے جذبہ کا بھی علم رکھتا ہے۔ اور بعض کا بعض کے ساتھ رہنا سہنا اور کھانے پینے کی چیزوں کو لے جانا اپنی اولاد

کے لئے پہاڑوں، جنگلوں اور وادیوں اور چٹیل میدانوں میں، ہم نے جان لیا کہ ان کا خالق لطیف ہے جس کی کیفیت نہیں، کیونکہ کیفیت تو اس مخلوق کی ہوتی ہے جو متنوع ہوتی ہے اور اسی لحاظ سے ہم اسے قوی بھی کہتے ہیں لیکن حملہ کرنے کی اُس صورت کے ساتھ نہیں جو مخلوق میں معروف ہے (حملہ کرنا زدو کوب کرنا) اور اگر اس کی حملہ کرنے کی ایسی قوت ہوتی جو مخلوق میں معروف ہے تو مشابہت واقع ہو جاتی اور زیادتی کا احتمال ہو جاتا، اور جہاں زیادتی کا احتمال ہو وہاں نقصان کا بھی احتمال ہوتا ہے، اور جو کم و زیادہ ہو وہ غیر قدیم ہوتا ہے، اور جو غیر قدیم ہوتا ہے وہ عاجز ہوتا ہے (اور خدا عاجز نہیں) پس ہمارا رب (ان باتوں سے) بلند و بری ہے (اور) اس کی کوئی شبیہ نہیں، اس کی ضد نہیں، اس کی نظیر نہیں، اس کی کوئی کیفیت نہیں، نہ اُس کی کوئی انتہا ہے اور نہ وہ آنکھ سے دیکھتا ہے، اور حرام ہے قلوب پر اُس کی تصویر بنانا (یعنی یہ خیال کرنا کہ وہ ایسا ہے، ایسا ہے وغیرہ) اور اوہام پر حرام ہے کہ اس کی حد مقرر کریں اور فکرِ انسانی پر حرام ہے کہ وہ اس کو حادث سمجھیں، وہ بزرگ و برتر ہے اس بات سے کہ مخلوق کے جیسے اس کے اسباب و آلات ہوں اور مخلوق کے سے آثار ہوں۔ وہ ان سب سے بلند ہے، وہ عالی مرتبہ اور بزرگ ہے۔

تشریحات:

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ اسماء سے مراد وہ ہے جو دلالت کرتا ہے ذات پر بغیر صفت کے ملاحظہ کے، اور صفات سے مراد ہے جو ذات پر دلالت کرتا ہے مع اتصاف بہ صفت کے ملاحظہ کے۔ (مرآۃ العقول)

۲۔ یعنی عبادت اس کا ذکر ہے۔ یعنی اس سے اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو ذکر میں مذکور ہے وہ قدیم ہے اور ذکر حادث۔ (مرآۃ العقول)

۔ی ان کے پیدا ہونے اور نشو و نما پانے کے مواضع جانتا ہے اور نشو و نما کا لفظ نشأ ینشأ سے ہے جس کے معانی نمو کے ہیں۔ اور سِفاد کے معانی جذبۂ افزائشِ نسل کے ہیں اور حدب کے معانی شفقت و عطف کے ہیں اور اُقام کے معانی ساتھ رہنے اور دوسرے کے امور و احوال کے محافظ ہونے کے ہیں۔

(الوافی، للفیض الکاشانی)

امام محمد تقی علیہ السلام
اور
قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کے درمیان مذاکرہ

ہم نے گذشتہ صفحات میں امام محمد تقی علیہ السلام اور قاضیٔ وقت یحییٰ بن اکثم کے درمیان ہونے والے مناظرہ کا پس منظر تفصیل سے پیش کیا تھا۔ یہاں مناظرہ نقل کرنے سے پہلے مختصراً پس منظر کو بیان کرتے ہیں۔

جب مامون نے امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنے پاس بغداد بلایا اور اپنی بیٹی اُم الفضل کا نکاح اُن سے کرنے کا اعلان کیا تو بنو عباس بہت برہم ہوئے اور مامون سے کہا کہ آپ ایک بچہ سے اپنی لختِ جگر کی تزویج کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ ابھی علوم دینیہ سے بے خبر ہیں۔ پہلے انھیں قرآن و حدیث اور دیگر علومِ متداولہ کی تعلیم دلوایئے پھر تزویج کیجیے گا۔ یہ سنکر مامون نے کہا کہ یہ تم سب سے اعلم و افقہ ہیں، اور اگر تم چاہو تو اپنی تسکین کی خاطر ان سے مناظرہ کر سکتے ہو۔ چنانچہ بنو عباس نے اس عہد کے قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کو اس مناظرہ کے لیے منتخب کیا۔ اب اس مناظرہ کا حال نقل کیا جاتا ہے:-

قال یحییٰ بن اکثم اتاذن
لی جعلت فداك ما تقول فی محرم
قتل صیداً فقال له ابوجعفر
الثانی علیه السلام قتله فی حل
او حرم؟ عالماً کان المحرم ای
جاھلاً؟ قتله عمداً او خطاً؟
حراً کان المحرم ام عبداً؟ صغیراً
کان او کبیراً؟ مبتدئاً بالقتل
ام معیداً؟ من ذوات الطیر کان
الصید ام من غیرھا؟ من صغار الصید
کان ام کبارہ؟ مصراً علیٰ ما فعل
او نادماً؟ فی اللیل کان قتله للصید
فی اوکارھا ام نھاراً وعیاناً؟ محرماً
کان بالعمرة اذ قتله او بالحج
کان محرما؟ ۔ فتحیر یحییٰ بن
اکثم وانقطع انقطاعاً لم یخف
علی احد من اھل المجلس وبان
فی وجھه عجز والانقطاع وتلجلج
حتیٰ عرفت جماعة اھل المجلس
امرہ وتحیر الناس عجبا من جواب
ابی جعفر۔ فقال المامون الحمد لله

یحییٰ بن اکثم نے کہا میں آپ پر فدا ہوں
اجازت دیجیے تو سوال کروں، آپ کیا
فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جو حالتِ
احرام میں تھا اور اُس نے شکار کیا؟ یحییٰ
سے ابوجعفر ثانی (یعنی امام محمد تقیؑ) نے فرمایا
اُس نے حل میں شکار کیا یا حرم میں؟ وہ عالم
تھا یا جاہل؟ اس نے عمداً شکار کیا یا خطا
سے؟ شکاری آزاد تھا غلام؟ وہ چھوٹا تھا
یا بڑا؟ اس نے پہلی مرتبہ شکار کیا یا پہلے بھی
کرچکا تھا؟ وہ شکار پرندوں میں سے تھا
یا پرندوں کے علاوہ؟ شکار چھوٹا تھا یا بڑا؟
وہ شکار کرنے پر نادم ہے یا مصر ہے؟
رات کو گھونسلے میں جاکر شکار کیا یا دن میں؟
وہ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھا یا حج کا؟
۔ یحییٰ بن اکثم حیران ہوئے اور ہکا
بکا رہ گئے اور یہ کیفیت اہلِ مجلس میں
سے کسی پر چھپی نہ رہ سکی اور ان کے چہرہ
پر عجز و درماندگی کے آثار بالکل ظاہر تھے
اور زبان لڑکھڑا گئی تھی یہاں تک کہ تمام اہلِ
مجلس ان کے حال سے واقف ہوگئے اور لوگوں کو
ابوجعفرؑ کے جواب سے حیرت ہوگی۔ مامون نے کہا میں

على هذه النعمة والتوفيق لي
في الرأي ثم نظر الى اهل بيته و
قال لهم اعرفتم الآن ما كنتم
ينكرونه فلما تفرق الناس و
بقي من الخاصة من بقي قال
المامون لابي جعفر عليه السلام
ان رايت جعلت فداك ان تذكر
الفقه فيما فصلته من وجوه قتل
المحرم الصيد وتعرفنا ما يجب
على كل صنف من هذه الاصناف
في قتل الصيد لنعلمه ونستفيده
فقال ابو جعفر عليه السلام نعم:
ان المحرم اذا قتل صيداً في الحل
وكان الصيد من ذوات الطير وكان
من كبارها فعليه شاة فان اصابه
في الحرم فعليه الجزاء مضاعفاً
فاذا قتل فرخاً في الحل فعليه
حمل قد فطم من اللبن وليست
عليه القيمة لانه ليس في الحرم
واذا قتله في الحرم فعليه الحمل و
قيمة الفرخ وان كان من الوحوش

اس نعمت پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس نے
میری رائے قائم کرنے کی کیا توفیق عنایت
کی ہے۔ پھر اپنے اہلِ خاندان کی طرف دیکھا اور
کہا۔ پہلے جس کا انکار کرتے تھے اس کو اب تم
جان گئے! پھر جب سب چلے گئے اور صرف
خاص خاص لوگ رہ گئے تو مامون نے ابی جعفرؑ
سے کہا، میں آپ پر فدا ہوں اگر آپ مناسب
سمجھیں تو ایک درسِ فقہ محرم کے شکار کے
مسئلہ پر دے کر مسئلہ مفصل طور پر سمجھا دیں تاکہ
ہم جان لیں اور مستفید ہو سکیں کہ ان تمام
صورتوں میں کیا کیا واجب ہوتا ہے۔
آپؑ نے فرمایا: بہتر ہے۔ اگر محرم نے حل
میں شکار کیا اور وہ شکار پرندہ تھا اور
بڑا تھا تو اس کو ایک بکری دینی ہے۔ اور
اگر اس نے حرم میں شکار کیا تو دو بکریاں
دینی ہوں گی۔ اور اگر چھوٹا بچہ تھا اور حل
میں شکار کیا تو اس پرندے کا وہ بچہ کفارے
میں دینا واجب ہے جس نے ابھی دودھ چھوڑا
ہو اور اگر حرم میں شکار کیا تو اس پرندے
کی قیمت اور ایک دُنبہ دینا ہوگا۔ اگر
وحوش میں سے ہے اور وحشی گدھا ہے

وکان حمار وحش فعلیہ بقرۃ و ان کان نعامۃ فعلیہ بدنۃ فان لم یقدر فاطعام ستین مسکینا فان لم یقدر فلیصم ثمانیۃ عشرۃ یوما و ان کان بقرۃ فعلیۃ بقرۃ فان لم یقدر فلیطعم ثلاثین مسکیناً فان لم یقدر فلیصم تسعۃ ایام و ان کان ظبیاً فعلیہ شاۃ فان لم یقدر فلیطعم عشرۃ مساکین فان لم یجد فلیصم ثلاثۃ الایام فان قتل شیئاً من ذالک فی الحرم فعلیہ الجزاء مضاعفاً ھدیاً بالغ الکعبۃ و اذا اصاب المحرم ما یجب علیہ الھدی فیہ وکان احرامہ بالحج نحرہ بمنی حیث ینحر الناس و ان کان احرامہ بالعمرۃ نحرہ بمکۃ فی فناء الکعبۃ و یتصدق بمثل ثمنہ حتی یکون مضاعفا و کذالک اذا اصاب ارنباً او ثعلباً فعلیہ شاۃ و یتصدق بمثل ثمن شاۃ و ان قتل حماما من حمام الحرم فعلیہ درھم یتصدق

تو ایک گائے ۔ اگر شتر مرغ ہے تو ایک اونٹ، اگر اس پر قادر نہیں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، اور اگر اس پر بھی قادر نہیں تو اٹھارہ روز تک روزہ رکھے ۔ اور اگر گائے تھی تو کفارے میں بھی گائے دینا ہوگی اور اگر اس پر قادر نہیں تو ۳۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر اس پر قادر نہیں تو نو روز تک روزے رکھے گا، اور اگر ہرن ہے تو اس کا کفارہ بکری ہے اور اگر اس پر قادر نہیں تو دس مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو تین روزے رکھے اور اگر اس میں سے کسی کا شکار حرم میں کرے تو بھی کفارے دوگنے ہوجائیں گے ۔ اور قربانی کے جانور کو کعبہ تک پہونچنا ہوگا اور اگر احرام حج کا باندھا ہے تو منیٰ میں قربانی کرنا ہوگی جبکہ لوگ قربانی کریں اور اگر اس کا احرام عمرہ کا تھا تو کعبہ کے سامنے قربانی کرے اور اس کی قیمت کے مطابق دوگنا صدقہ دے گا ۔ اور اسی طرح اگر خرگوش یا لومڑی تھی تو ایک بکری دینا ہوگی اور بکری کے برابر ہی صدقہ

بدرهم يشترى به علفاً لحمام
الحرم وفى الفرخ نصف درهم و
فى البيضة ربع درهم وكلما اتى به
المحرم بجهالة او خطأ فلا شئ عليه
الا الصيد فان عليه فيه الفداء
بجهالة كان ام بعلم ام بخطاء
كان ام بعمد وجزاء الصيد على العالم
والجاهل سواء وفى العمد له المأثم
وهو موضوع عنه فى الخطاء والكفارة
على الحر فى نفسه وعلى السيد
فى عبده والصغير لا كفارة عليه
وهى على الكبير واجبة والنادم
يسقط بندمه عنه عقاب الآخرة
والمصر يجب عليه العقاب فى الآخرة
وان دل على الصيد وهو محرم و
قتل الصيد فعليه فيه الفداء وان
اصابه ليلاً فى اوكارها خطاء فلا شئ
عليه ان لم يتصيد فان تصيد بليل
فعليه فيه الفداء۔ فقال له المأمون
احسنت يا ابا جعفر احسن الله اليك
وامر ان يكتب ذالك عنه[1]

دینا ہوگا اور اگر حرم کے بعد کبوتروں
میں سے کسی کبوتر کو شکار کیا تو اس پر ایک
درہم ہے جس کو وہ صدقہ کرے اور ایک درہم
کا کبوتروں کے لئے دانہ دنکا خریدے اور
کبوتر کے بچے کے لئے نصف درہم ہے ا
انڈے کے لئے چوتھائی درہم اور حالت احرا
میں ان میں سے کوئی شکار جہالت یا خطا سے
کرے تو اس پر اسی قسم کے شکار کے علاوہ
اور کچھ نہیں کیونکہ عام صورتوں میں یعنی جہالت
علم، عمد یا خطا میں اس پر فدیہ ہے۔ اور شکار
کے فدیہ میں عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں اور
عمداً کرے تو اس پر گناہ ہے اور اگر خطا سے
شکار کیا تو اس پر فدیہ نہیں اور ایک آزاد
آدمی پر کفارہ خود اس کی ذات پر ہے اور آقا
پر غلام کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے اور چھوٹے
بچے پر کوئی کفارہ نہیں بلکہ بڑے پر واجب ہے۔
اور جو شکار کے بعد نادم ہے تو آخرت میں اس پر
عذاب نہ ہوگا اور جو مُصر ہے اس پر آخرت میں
عذاب ہوگا۔ اگر شکاری کو شکار کسی نے دکھایا
اور وہ حالت احرام میں تھا اور اُس نے شکار
کر لیا تو اس صورت میں اس پر فدیہ ہے اور اگر

[1] اعیان الشیعہ جلد ۲/۳ ۔ ص ۱۶۳

رات میں شکار نہ کیا تو کوئی فدیہ نہیں، اگر شکار کیا تو فدیہ ہوگا۔ مامون نے یہ سنا تو کہا اے ابوجعفرؑ آپ نے احسان کیا اللہ آپ پر احسان کرے۔ اور حکم دیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام سے اس جواب کو لکھ لیا جائے۔

علامہ ہاشم معروف الحسینی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

واضاف الرواة لذلك
ان المامون طلب من الامام ابي جعفر
ان يسأل يحيیٰ بن اكثم كما سأله
فاجابه الامام لذلك وقال ليحيیٰ:
اخبرني عن رجل نظر الیٰ امراة
في اول النهار فكان نظره اليها حراماً
عليه - فلما ارتفع النهار حلت
له فلما زالت الشمس حرمت عليه
فلما دخل عليه وقت العصر حلت
له ، فلما غربت الشمس حرمت
عليه ، فلما دخل عليه وقت عشاء
الآخرة حلت له ، فلما انتصف
الليل حرمت عليه وبطلوع الفجر
حلت ، فما حال هذه المرأة وبما
حلت له وحرمت عليه ؟ فقال يحيیٰ
بن اكثم : والله لا اهتدي لجوابك
ولا اعرف الوجه في ذلك فان رأيت

اور راویوں نے اس میں اضافہ کیا ہے
کہ مامون نے امام علیہ السلام سے مطالبہ کیا
کہ وہ بھی یحییٰ بن اکثم سے کچھ پوچھیں جیسا
کہ اُس نے آپ سے پوچھا۔ امامؑ نے جواباً
یحییٰ بن اکثم سے کہا کہ ایسے شخص کے بارے
میں کیا کہتے ہو کہ اُس نے ایک عورت پر صبح
سویرے نظر کی تو وہ اس پر حرام تھی، جب
دن چڑھ گیا تو وہ اس پر حلال ہو گئی، پھر
جب سورج ڈھلا تو اس پر حرام ہو گئی جب
وقتِ عصر آیا تو اس پر حلال ہو گئی، جب
سورج غروب ہو گیا تو پھر حرام ہو گئی جب
عشاء کا آخری وقت ہوا تو پھر حلال ہو گئی،
جب آدھی رات ہوئی تو پھر حرام ہو گئی اور
جب صبح ہوئی تو پھر حلال ہو گئی۔ بتاؤ ایسی
عورت کون ہے اور وہ کیوں حلال و حرام
ہوتی رہی۔ یحییٰ بن اکثم نے کہا، بخدا اس کے
جواب کی اہلیت میں نہیں پاتا اور نہ ہی اس صورت

ان تفیدنا . فقال ابو جعفر (ع) هذه امة لرجل من الناس نظر الیها اجنبی فی اول النہار فکان نظرہ الیها حراماً علیه فلما ارتفع النہار ابتاعها من مولاها فحلت له فلما کان عند الظہر اعتقها فحرمت علیه فلما کان وقت العصر تزوجها فحلت له ، فلما کان وقت المغرب ظاہر منها فحرمت علیه . فلما کان وقت العشاء الآخرۃ کفر عن الظہار فحلت له ، فلما کان نصف اللیل طلقها واحدۃ فحرمت علیه فلما کان عند الفجر راجعها فحلت له ¹

میں جانتا ہوں ، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں مستفید فرمائیں ۔ امام محمد تقی علیہ السلام نے جواب دیا ، ایسی عورت ایک شخص کی لونڈی ہے اس کی طرف ایک اجنبی نے دیکھا اول صبح تو اس کی طرف اس شخص کی نظر حرام تھی جب دن چڑھا تو اس کے مالک سے اُسے خرید لیا تو اُس کے لئے حلال ہو گئی ۔ جب ظہر کا وقت آیا تو اس لونڈی کو آزاد کر دیا وہ اس شخص پر حرام ہو گئی ۔ جب وقتِ عصر آیا تو اس سے شادی کر لی پھر وہ حلال ہو گئی اور جب مغرب کا وقت ہوا تو اس سے ظہار کیا ، پھر اس پر حرام ہو گئی ، جب عشاء کا آخری وقت آیا تو اُس نے ظہار کا کفارہ دے دیا وہ پھر حلال ہو گئی ، اور جب آدھی رات ہوئی تو اُس کو ایک طلاق دی وہ پھر اس پر حرام ہو گئی اور جب فجر ہوئی تو رجوع کر لیا وہ پھر اس پر حلال ہو گئی ۔

امام علیہ السلام نے ایک مسئلہ میں پندرہ شقیں پیدا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ علم امامت سے امت کے علم کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ۔ خود قاضیٔ وقت یحییٰ بن اکثم بھی حیران و ششدر تھا ۔ اس مناظرہ کے بعد بنو عباس یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مامون کا انتخاب غلط نہ تھا ۔

---

¹ سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲ صفحہ ۴۴۹ ۔ ۴۵۰ ۔ ہاشم معروف الحسینی ۔ مطبوعہ دار التعارف و دار القلم بیروت لبنان ۱۹۷۷ء

امام محمد تقی علیہ السّلام ــــــ اور احادیث

ان المامون بعد ما زوج ابنته
ام الفضل للامام الجوادؑ كان فى
مجلس ومعه ابوجعفرؑ الجواد و
يحيىٰ بن اكثم وجمعٌ من خاصته و
حواشيه - فقال له يحيىٰ بن اكثم:
ماتقول يا ابن رسول الله فى
الخبر الذى روى انه نزل جبرائيل
علىٰ رسول اللهؐ وقال له : يا محمدؐ
ان الله عزّ وجل يقرؤك السّلام و
يقول لك : سل ابابكر هل هو
عنى راض فانى راض عنه؟ فقال
الامام : لست بمنكر فضل ابى بكر،
ولكن يجب على صاحب هذا الخبر
ان ياخذ الخبر الذى قاله رسول
اللهؐ فى حجة الوداع بعين الاعتبار؛
لقد كثرت علىّ الكذابة و
ستكثر بعدى فمن كذب علىّ
متعمداً فليتبوأ مقعده من النار،
فاذا اتاكم الحديث عنى فاعرضوه

مامون جب اپنی بیٹی ام الفضل کی
تزویج امام محمد تقی علیہ السّلام سے کر چکا
تو وہ ایک محفل میں بیٹھا تھا اس کے ساتھ
امام محمد تقی علیہ السلام اور یحییٰ بن اکثم اور کچھ
خواص وحاشیہ نشین تھے۔ یحییٰ بن اکثم نے کہا
اے ابن رسول اللہؐ آپ اس روایت کے بارے
میں کیا کہتے ہیں جس میں روایت کیا گیا ہے کہ
جبرئیلؑ رسول اللہؐ کے پاس آئے اور کہا: "اے
محمدؐ اللہ عزوجل آپ کو سلام کہتا ہے اور
آپ سے کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر سے پوچھیں
کہ کیا وہ مجھ سے راضی ہیں جبکہ میں اُن سے
راضی ہوں۔" امام علیہ السلام نے فرمایا: "میں
حضرت ابوبکر کے مقام و منزلت کا انکار نہیں
کرتا لیکن اس روایت کے بیان کرنے والے
کو چاہیے کہ حضرت رسول اللہؐ نے حجۃ الوداع
میں جو بات کہی تھی اس کو مدِنظر رکھے (آپ نے
فرمایا) مجھ پر جھوٹ بولنے والے بہت ہیں اور
میرے بعد اور بڑھ جائیں گے پس جس نے جان
بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم

علیٰ کتاب اللہ وسنتی فما وافق کتاب اللہ وسنتی فخذ وابہ وما خالف کتاب اللہ وسنتی فلا تاخذوا بہ ، وھذا الخبر لا یوفق کتاب اللہ قال تعالیٰ : ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ فاللہ سبحانہ تعالیٰ خفی علیہ رضا ابی بکر من سخطہ حتی سال عن مکنون سرہ ھذا مستحیل فی العقول۔

ثم قال یحییٰ بن اکثم : لقد روی ابا بکر وعمر بن الخطاب فی الارض کجبرائیل ومیکائیل فی السماء۔ فقال الامامؑ وھذا ایضاً یجب ان ینظر فیہ لان جبرائیل ومیکائیل ملکان للہ مقربان لم یعصیا اللہ قط ولم یفارقا طاعتہ لخطیئۃ واحدۃ ، وھما قد اشرکا باللہ عزوجل وان اسلم بعد الشرک ولکن اکثر ایامھما کانت علی الشرک

میں بنالے۔ پس جب میری کوئی حدیث تم تک پہونچے تو اس کو کتاب اللہ اور میری سنت پر پیش کرو، جو کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق ہو اس کو لے لو اور جو کتاب اللہ اور میری سنت کے مخالف ہو اس کو نہ لو۔" یہ حدیث کتاب اللہ سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک ہم نے انسان کو خلق کیا اور جو کچھ اس کے نفس میں وسوسہ آتا ہے ہم اُسے جانتے ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔ (اس حدیث کے مطابق تو) اللہ تعالیٰ پر حضرت ابو بکر کی رضا اور ناراضگی مخفی تھی یہاں تک کہ اس نے چھپے ہوئے بھید کے متعلق سوال کیا اور یہ خلافِ عقل ہے۔

پھر یحییٰ بن اکثم نے کہا کہ روایت کی گئی ہے کہ ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) زمین پر اسطرح ہیں جس طرح آسمان پر جبرائیلؑ و میکائیلؑ ہیں۔

امامؑ نے فرمایا اس روایت پر بھی غور کرنا ضروری ہے کیونکہ جبرئیلؑ و میکائیلؑ معصوم فرشتے ہیں جبکہ یہ معصوم نہیں ہیں اس وجہ سے دونوں میں تشبیہ محال ہے۔

فمحال ان يشبههما بهما۔

فقال له يحيىٰ بن اكثم : وقد روى ايضاً انهما سيدا كهول اهل الجنة ، فما تقول فى ذلك يا ابا جعفرؑ ؟ فقال(ع) وهذا الخبر لا صحة له ايضاً : لان اهل الجنة ليس فيهم كهل وشيخ وقد وضع هذا الخبر بنو امية فى مقابل ماجاء عن النبيؐ فى الحسنؑ والحسينؑ (ع) انهما سيدا شباب اهل الجنة۔

یحییٰ بن اکثم نے پھر کہا : یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ یہ دونوں اہلِ جنت میں سے بوڑھوں کے سردار ہیں، آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ آپؑ نے فرمایا یہ روایت بھی ایسی ہے جس میں کوئی صحت نہیں کیونکہ اہلِ جنت میں کوئی بوڑھا اور سن رسیدہ نہ ہوگا۔ یہ روایت بنو امیہ نے اس حدیث کے مقابل گڑھی ہے جس میں نبیِ اکرمؐ سے روایت ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ (علیہما السلام) دونوں اہلِ جنت کے سردار ہیں۔

فقال يحيىٰ : وقد روى ان النبيؐ قال لو لم ابعث لبعث عمر ابن الخطاب ' فقال (ع) كتاب الله اصدق من هذا الحديث ، فقد قال الله فى كتابه : " واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوحٍ ، فقد اخذ الله ميثاق النبيين ، فكيف يمكن ان يبدل ميثاقه ، وكل الانبياء لم يشركوا بالله طرفة عين ، فكيف يبعث الله من اشرك وكانت اكثر ايامه على الشرك بالله۔ [1]

یحییٰ نے پھر کہا : یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ نبیِ اکرمؐ نے فرمایا : اگر میں نبی نہ بنایا جاتا تو عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو نبی بنایا جاتا۔ آپؑ نے فرمایا : کتاب اللہ اس روایت سے زیادہ سچی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے " اور ہم نے تمام نبیوں سے میثاق لیا اور تم سے بھی اور نوحؑ سے بھی۔" پس جب اللہ نے عہد لیا نبیوں سے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے عہد کو بدل دے۔

---

[1] الاحتجاج للطبرسی ص۲۴۸ ، سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲ ص۲۶۹ ، ۳۰۱ ، ۳۰۲ ہاشم معروف الحسینی۔

نوٹ : ہم نے ترجمے میں بعض الفاظ کو قصداً چھوڑ دیا ہے کیونکہ وقت اور حالات کا تقاضہ یہی تھا۔ محسن مظفر

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے

چند فتوے

۱۔ صبح کی نماز کے تعین کے متعلق فتوے :

عن علی بن مہزیار انہ قال: کتب ابو الحسن بن الحصین معی الی ابی جعفر الثانی : جعلت فداک قد اختلف موالوک فی صلاۃ الفجر فمنھم من یصلی اذا طلع الفجر الاوّل المستطیل فی السمآء ، ومنھم یصلی اذا اعترض فی اسفل الافق واستبان ولست اعرف افضل الوقتین فاصلی فیہ فان رایت ان تعلمنی افضل الوقتین وتحدہ لی مع القمر والفجر لاتبین معہ حتی یحمر ویصبح وکیف اصنع مع الغیم وما حد ذلک فی السفر والحضر؛ فکتب (ع) بخطہ وقراءتہ : الفجر یرحمک اللّٰہ ھو الخیط الابیض المعترض ولیس ھو الابیض صعداء ، فلا تصل فی سفر ولا حضر حتی تتبینہ فان اللّٰہ تبارک وتعالیٰ لم یجعل خلقہ

علی بن مہزیار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو الحسن بن الحصین نے میرے ساتھ امام محمد تقیؑ کو خط لکھا۔ میں آپ پر قربان جاؤں نمازِ صبح کے وقت فضیلت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض صبح کاذب کے وقت پڑھتے ہیں جبکہ سفیدی آسمان پر پھیل جاتی ہے اور بعض اس وقت پڑھتے ہیں جبکہ افق کے نچلے کنارے پر پڑ کر ظاہر ہوتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ دونوں میں سے کونسا وقت افضل ہے تا کہ اس میں نماز پڑھوں میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دونوں میں سے افضل وقت بتائیں اور چاند کے ساتھ وقت کا تعین بتائیں اور اگر چاند نہ نکلا ہو تو کیا کروں یہاں تک کہ صبح سرخ ہو جائے یعنی شفق پھیل جائے۔ آسمان پر بادل ہوں تو کیا کروں سفر و حضر میں اس کی کیا حد ہے ؟ حضرتؑ نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا ؛ خدا تم پر رحم کرے فجر کا وقت وہ ہے جب آسمان پہ

فی شبهة من هذا فقال: کلوا واشربوا حتیٰ یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر فالخیط الابیض هو المعترض الذی یحرم به الاکل والشرب فی الصوم، و هو الذی تجب انه الصلاة۔

سفید خط سیاہ خط سے علاحدہ ہو جائے اور سفیدی پھیلی نہ ہو اور جب تک سفید خط سیاہ خط سے علاحدہ نہ ہو نماز سفر یا حضر میں نہ پڑھو کیونکہ اللہ تو نے اس امر میں خلق کو شبہ میں نہیں ڈالا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ کھاؤ پیو یہاں تک کہ سفید خط سیاہ خط سے علاحدہ ہو جائے۔ صبح میں اور سفید خط وہ ہے جس کے بعد روزہ میں کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور اسی وقت نماز واجب ہوتی ہے [۱]

۲۔ نماز کی سورتوں میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا فتویٰ

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے عہد میں ایک شخص ہشام بن ابراہیم العباسی تھا، اس نے فتویٰ دیا کہ نماز میں اگر سورۂ الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھا اور دوسری سورۃ میں چھوڑ دیا تو کوئی حرج نہیں۔ ابن مہزیار کی روایت اس بارے کلینیؒ نے اس طرح نقل کی ہے:

عن ابن مھزیار عن یحییٰ بن ابی عمران الھمدانی انہ قال کتبت

ابن مہزیار نے یحییٰ بن ابی عمران الہمدانی سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے

---

[۱] بحوالہ سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲ صفحہ ۳۵۳۔۳۵۴۔ وجاء فی الکافی المجلد اول کتاب الصلاۃ باب ۶ جلد ا۔ مع الزیادۃ والنقصان وقال علامۃ المجلسیؒ ضعیف (مرآۃ العقول) کافی میں یہ روایت کچھ زیادتی اور کچھ نقصان کے ساتھ آئی ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

الیٰ ابی جعفر الجوادؑ جعلت فداك ما تقول فی رجل ابتداء ببسم الله الرحمٰن الرحیم فی صلاته وحده فی ام الکتاب، فلما صار الی غیر ام الکتاب من السورة ترکها، فقال العباسی: لیس بذلك بأس، فکتب بخطه یعیدها مرتین علی رغم انف العباسی۔ ؎1

امام محمد تقی علیہ السلام کو خط لکھا کہ میں آپ پر قربان جاؤں آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے نماز میں صرف سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا لیکن جب دوسرے سورے پر پہنچا تو بسم اللہ ترک کر دی۔ عباسی نے اس بارے میں کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ امامؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا کہ عباسی کے برخلاف دوبارہ دہرانا چاہیئے۔

۳۔ لڑکیوں کی شادی کے بارے میں حضرت کا فتویٰ

شیخ محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے فروع الکافی میں لکھا ہے کہ:

عن سهل بن زیاد بسنده الیٰ علی بن اسباط انه کتب الیٰ ابی جعفر الجوادؑ فی امر بناته وانه لا یجد احداً مثله فکتب الیه ابو جعفرؑ: فهمت ما ذکرت من امر بناتك وانك لا تجد احداً مثلك فلا تنظر فی ذلك رحمك الله فان رسول اللهؐ قال: اذا جاءکم من ترضون خلقه و دینه فزوجوه الا تفعلوه

سہل بن زیاد نے اپنی سند سے علی بن اسباط سے روایت کی ہے کہ انھوں نے امام محمد تقیؑ کو اپنی بیٹیوں کی شادی کے بارے میں خط لکھا کہ مجھے کوئی میری طرح کا نہیں ملتا۔ امامؑ نے جواباً تحریر فرمایا کہ تم نے اپنی بیٹیوں کے بارے میں جو کچھ لکھا اس کو میں نے سمجھا اور یہ بھی کہ تمھیں تمھاری مثل کوئی نہیں ملتا تو اس امر میں پریشان نہ ہو اللہ تم پر رحم کرے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا جب تمھارے پاس کوئی رشتہ لے کر آئے اور

؎1 سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲ صفحہ ۳۵۳

تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر۔ ؎۱

تم اس کے اخلاق اور دین سے راضی ہو تو اُس سے شادی کردو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین پر فتنہ وفسادِ عظیم برپا ہو جائے گا۔

۴۔ شادی کے مسئلہ میں لڑکی کی مرضی ہی اصل ہے

ہمارے معاشرہ میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ لڑکی کی شادی کے بارے میں خود لڑکی سے رائے طلب نہیں کی جاتی اور اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ بچپن ہی میں والدین کسی لڑکے سے نسبت طے کر دیتے ہیں اور لڑکی کو شادی پر مجبور کرتے ہیں چاہے لڑکی اس لڑکے کو ناپسند کرتی ہو، والدین اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں شرعاً یہ صورت درست نہیں ہے۔ اس بارے میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا فتوے ملاحظہ ہو۔

وجاء فی روایة علی بن مهزیار عن محمد بن الحسن الاشعری انهٔ قال: کتب بعض بنی عمی الیٰ ابی جعفر الثانیؑ ما تقول یا ابن رسول الله فی صبیة زوجها عمها فلما کبرت ابت التزویج فکتب بخطه: لا تکره علیٰ ذلك والامر امرها۔ ؎۲

علی بن مہزیار ہی کی روایت ہے محمد بن الحسن الاشعری سے کہ وہ کہتے ہیں کہ میرے چند چچازاد بھائیوں نے امام محمد تقی علیہ السلام کو لکھا کہ: "اے فرزند رسولؐ اس بچی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں کہ جس کی تزویج ان کے چچا نے کر دی جب وہ بڑی ہوئی تو اُس نے انکار کر دیا شادی سے"! حضرتؑ نے لکھا "اس مسئلہ میں اس پر جبر نہ کرو کیونکہ یہ اسی کی مرضی پر ہے۔

؎۱ سیرة الائمة الاثنیٰ عشر؛ جلد ۲ صفحہ ۴۵۶

؎۲

۵ :- وقف املاک کے بارے میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا فتویٰ :

وجاء فی المجلد السابع من الکافی عن علی بن ابراهیم بسنده الی علی بن محمد بن سلیمان النوفلی انه قال: کتبتُ الیٰ ابی جعفر الثانی م اسالہ عن ارض اوقفها جدی علی المحتاجین من ولد فلان بن فلان وهم کثر متفرقون فی البلاد فأجاب ذکرت الارض التی اوقفها جدك علیٰ ولد فلان بن فلان وهی لمن حضر البلد الذی فیه الوقف ولیس لك ان تتبع من کان غائباً۔ [1]

کافی کی ساتویں جلد میں علی بن ابراہیم اپنی سند سے علی بن محمد بن سلیمان النوفلی سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کو خط لکھا اور اس میں اپنی زمین کے بارے میں پوچھا، جس کو میرے دادا نے فلاں بن فلاں کے بیٹوں کے لئے وقف کردیا تھا وہ کثیر تعداد میں اور مختلف شہروں میں ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ تم نے ایسی زمین کا تذکرہ کیا ہے جو تمہارے دادا نے فلاں بن فلاں کی اولاد کو وقف کردی تھی، ان میں سے جو تمہارے شہر میں ہے اسی کے لئے یہ زمین ہے اور تم پران لوگوں کی تلاش ضروری نہیں جو غائب ہیں۔

۶ : جب شوہر بیوی پر تہمت بدکاری لگائے

کافی میں ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے منسوب کرکے لکھا ہے کہ :-

عن علی بن ابراهیم عن ابیه عن الحسین بن سیف عن محمد بن سلیمان انه قال: قلت لابی جعفر الثانی: کیف صار الزوج اذا قذف امرأته

کلینیؒ نے اپنی سند سے محمد بن سلیمان سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد تقی م سے پوچھا کہ جب شوہر اپنی بیوی پر تہمت زنا لگاتا

[1] سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲۔ صفحہ ۳۵۶

كانت شهادته اربع شهادات بالله
وكيف لا يجوز ذلك لغيره واذا
قذفها غير الزوج جلد الحد ولو كان
ولداً او اخاً، فقال: قد سئل
ابو جعفر الباقرؑ عن هذا فقال: الا ترى
انه اذا قذف الزوج امرأته قيل
له وكيف علمت انها فاعلة؟ فان
قال: رايت ذلك منها بعيني كانت
شهادته اربع شهادات بالله وذلك
انه قد يجوز للرجل ان يدخل
المدخل في الخلوة التي لا تصلح لغيره
ان يدخلها ولا يشهدها والد ولا
ولد في الليل والنهار، فلذلك صارت
شهادته اربع شهادات بالله اذا قال:
رايت ذلك بعيني، واذا قال: اني لم
اعاين صار قاذفاً على حد غيره وضرب
الحد الا ان يقيم عليها البينة، وان
زعم غير الزوج اذا قذف وادعى
انه رآه بعينه قيل له وكيف رايت
ذلك وما ادخلك ذلك المدخل
الذي رايت فيه هذا وحدك،

ہے تو کیوں اس کی گواہی قسم کے ساتھ
چار گواہیاں شمار ہوتی ہیں اور دوسر
کے لئے اس کا جواز کیوں نہیں! اور یہ کہ جب
شوہر کے علاوہ کوئی دوسرا یہ تہمت لگائے
تو اس کو حد میں کوڑے مارے جاتے ہیں خواہ
وہ بیٹا ہو خواہ بھائی۔ امامؑ نے فرمایا کہ
امام محمد باقرؑ سے بھی یہی مسئلہ پوچھا گیا تھا تو
آپ نے فرمایا کہ تم نہیں دیکھتے کہ جب شوہر
اپنی بیوی پر تہمت لگاتا ہے تو اس سے پوچھا
جاتا ہے کہ تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ تمہاری
بیوی نے یہ کام کیا، اب اگر وہ کہے کہ میں نے
اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس کی شہادت قسم
کے ساتھ چار شہادتیں شمار ہوں گی اور اس کی
وجہ یہ ہے کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ
خلوت خانے میں جائے جہاں کوئی دوسرا نہیں
جا سکتا اور نہ اس عورت کو دیکھ سکتا ہے نہ اس کا
باپ نہ بیٹا، نہ رات میں نہ دن میں۔ اس لئے
اس شوہر کی گواہی چار گواہوں کے برابر
قرار پائی قسم کے ساتھ جبکہ وہ کہے کہ میں نے
اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اگر شوہر یہ کہے کہ
میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو شوہر بھی

انت متھم فی دعواک وان کنت صادقاً فانت فی حد التھمۃ فلا فلا بد من ادیبک بالحد الذی اوجبہ اللہ علیک ، ومضی یقول: وانما صارت شھادۃ الزوج اربع شھادات باللہ لمکان الاربعۃ شھداء مکان کل شاھد یمین۔[1]

دوسروں کی طرح تہمت لگانے والا شمار ہوگا اور اس کے حد ماری جائے گی سوائے اس کے کہ وہ اس امر پر ثبوت پیش کرے اور اگر شوہر کے علاوہ کوئی تہمت لگائے اور دعویٰ کرے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے کیسے دیکھ لیا اور تو کیوں خلوت خانے میں گیا جہاں تو نے اکیلے یہ واقعہ دیکھ لیا، تو نے اپنے دعوے میں اتہام لگایا ہے اور اگر تو اپنے دعوے میں سچا بھی ہے تو بھی تجھ پر حد لگے گی کیونکہ تیری تادیب کے لئے ضروری ہے کہ تجھ پر وہی حد لگائی جائے جو تجھ ایسوں پر اللہ نے واجب کی ہے۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قسم کے ساتھ شوہر کی شہادت چار شہادتیں ہو جاتی ہیں اور ہر قسم ایک شاہد کی قائم مقام ہوتی ہے"۔

یہ حدیث انہی الفاظ میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب علل الشرائع" میں باب نمبر ۲۳۶ "العلۃ التی من اجلھا اذا قذف الزوج امرأتہ کانت شھادتہ اربع شھادات واذ قذفھا غیر الزوج جلد الحد"، صفحہ ۵۴۵، منشورات المکتبۃ الحیدریہ نجف ۱۹۶۳ء میں نقل کی ہے لیکن یہ روایت امام علی رضاؑ سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی پوچھا گیا تھا تو انھوں نے بھی وہی جواب دیا تھا جو اوپر امام محمد باقر علیہ السلام کے حوالے سے گذرا ہے۔

---

[1] الفروع من الکافی جلد ۷ صفحہ ۴۰۳ ۔ کتاب الشہادات باب النوادر جلد ۶ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران ۱۳۹۱ھ ۔ سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ ہاشم معروف الحسینی طبع بیروت۔

امام محمد تقی علیہ السلام کے چند خطوط

جناب علی بن مہزیار اہوازی کے بیان میں ہم تذکرہ کر چکے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے آپ کو خاص نسبت تھی اور چند توقیعات بھی حضرت ؑ نے آپ کو روانہ کی تھیں۔ ان خطوط میں سے چھ خطوط علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں درج کئے ہیں۔ یہ خطوط نامکمل ہیں مگر ان خطوط کو ہم ذیل میں مع ترجمہ کے نقل کرتے ہیں۔

پہلا خط

یہ مدینہ سے بغداد کی جانب ہے۔ اس میں آپ ؑ تحریر فرماتے ہیں:-

قَدْ وَصَلَ اِلَیَّ کِتَابُكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَکَرْتَ، وَقَدْ زَادَنِی سُرُوْرًا۔ فَسَرَّكَ اللّٰہُ۔ وَاِنَّمَا اَرْجُوْ مِنَ الْکَافِی الدَّافِعِ اَنْ یَکْفِیَنِی کَیْدَ کُلِّ کَائِدٍ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

ترجمہ: مجھے تمہارا خط ملا۔ میں سمجھ گیا جو کچھ تم نے لکھا ہے۔ میری خوشی میں اضافہ ہوا۔ خدا تمہیں بھی خوش رکھے۔ میں کافی و رافع خدا سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ہر مکار کے مکر سے مجھے محفوظ رکھے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسرا خط

حضرت ؑ کا دوسرا خط مومنین قم کے بارے میں ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

فهمت ما ذکرت من امر القمیین، خلصهم اللہ وفرج عنهم، وسررتنی بما ذکرت من ذلك ولم تزل تفعل۔ سرك اللہ بالجنة ورضی عنك وانا ارجو من اللہ العفو

والرافتہ ۔ واقول حسبنا اللہ ونعم الوکیل ۔

ترجمہ: جو کچھ تم نے اہالیانِ قم کے بارے میں لکھا ہے وہ واضح ہوا۔ خداوندِ عالم انھیں ان مشکلات سے نجات اور مصائب کی تنگی کو دور فرمائے۔ اس سلسلے میں تم نے جو تذکرہ کیا ہے اس سے خوشی ہوئی۔ تم مجھے ہمیشہ خوش کرتے رہتے ہو۔ خدا تمھیں جنت دے کر خوش فرمائے اور تم سے راضی ہو۔ میں اللہ تم سے عفو اور راحت کا امید وار ہوں اور کہتا ہوں کہ ہم سب کے لئے اللہ کافی ہے اور وہی سب سے اچھا سربراہ ہے۔

تیسرا خط

معلوم دیتا ہے کہ اس خط میں حضرتؑ نے جناب علی بن مہزیارؒ کو بغداد سے کسی اور مقام پر جانے کی ہدایت فرمائی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ منزل دونوں کے درمیان پہلے سے طے تھی صرف حکم کا انتظار تھا۔ امام علیہ السلام اس خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

فاشخص الیٰ منزلك ، صیرك اللہ الیٰ خیر منزل فی دنیاك وآخرتك ۔

ترجمہ: اچھا اب تم اپنی منزل کی طرف روانہ ہو اللہ تمھیں دنیا و آخرت میں بہترین منزل عطا فرمائے۔

چوتھا خط

اس توقیع کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب علی بن مہزیارؒ کو کسی اہم مہم پر روانہ ہونا ہے اور انھوں نے اس سفر کے لئے اتوار کا دن مقرر کیا ہے اور حضرتؑ سے اجازت طلب کی ہے اور ساتھ ہی مشکلات اور خطرات بھی بیان کئے ہیں۔ امام علیہ السلام نے جواباً تحریر فرمایا ہے :-

واسال اللّٰہ ان یحفظک اللّٰہ من بین یدیک ومن خلفک وفی کل حالاتک والبشر . فانی ارجوان یدفع اللّٰہ عنک واسئل اللّٰہ ان یجعل لک الخیرۃ فیما عزمت من الشخوص فی یوم الاحد فاخرذلک الی یوم الاثنین ان شاء اللّٰہ ــــ صحبک اللّٰہ فی سفرک وخلفک فی اھلک وادی عنک امانتک وسلمت بقدرتہ .

ترجمہ : جو تمھارے پیچھے اور آگے حالات ہیں میں اللہ سے ان کے پیش نظر تمھاری حفاظت کی دعا کرتا ہوں اور تمھیں بشارت دیتا ہوں . میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تم سے ان بلاؤں کو دفع کرے اور اللہ سے بہتری اور خیریت کا طالب ہوں اس بارے میں کہ تم نے اتوار کو سفر کرنے کا عزم کیا ہے . اس سفر کو پیر تک ملتوی کردو " ان شاء اللہ " اللہ اس سفر میں تمھارے اور تمھارے گھر والوں کے ساتھ اپنی رحمت وعافیت رکھے . اور تم سے تمھاری امانت اداکرادے اور اپنی قدرت سے تمھاری حفاظت فرمائے .

پانچواں خط

یہ خط اس خط کے جواب میں ہے جو جناب علی بن مہزیارؒ نے حضرتؑ کو لکھا تھا اور اس میں وسعتِ رزق کے لئے دعا کی استدعا کی تھی . حضرتؑ نے تحریر فرمایا :-

وسع اللّٰہ علیک ولمن سالت بہ التوسعۃ فی اھلک واھل بیتک ولک یاعلی ما عندی من اکثر التوسعۃ ــــ وانا اسئل اللّٰہ ان یصحبک بالتوسعۃ والعافیۃ ویقدمک علیہ وخیرک بالعافیۃ انہ سمیع الدعاء .

ترجمہ : اللہ تم پر وسعت فرمائے اور تم نے اپنے اہل وعیال کے لئے کشادگی کی تمنا

کی ہے خدا تم کو اور ان کو کشادہ دست بنائے علی میرے دل میں دل میں اس وسعتِ رزق سے بڑھ کر تمھارے لئے کشادگی کی تمنا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسعتِ رزق اور عافیت کی دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تمھیں خوش حال وتندرست رکھے، وہ یقیناً دعاؤں کو سننے والا ہے۔

چھٹا خط

جناب علی بن مہزیارؒ نے ایک اور خط حضرتؑ سے دعا کرنے کے لئے لکھا تو حضرتؑ نے اپنے دستِ مبارک سے یہ خط تحریر فرماکر روانہ کیا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

واما ماسألت من الدعاء فانك لست تدری کیف جعلک الله عندی ـــ وربما سمیتك باسمك ونسبك مع کثرة عنایتی بك ومحبتی لك ومعرفتی بما انت الیه فادام الله لك افضل ما رزقك من ذلك ورضی عنك وبلغك بنیتك وانزلك الفردوس الاعلیٰ برحمته وانه سمیع الدعاء ـ حفظك الله، وتولاك ودفع السوء عنك برحمته ـــ وکتبت بخطی۔

ترجمہ: اور جو کچھ تم نے دعا کے بارے میں لکھا ہے تو تم نہیں جانتے کہ خدا نے تمھیں میرے نزدیک کیسا بنا دیا ہے اور میں نے کئی مرتبہ تمھارے نسب کے ساتھ تمھارا تذکرہ کیا ہے، اس کے ساتھ ہی تم پر میری جو عنایات ہیں اور تم سے جو محبت ہے وہ اپنی جگہ پر ـــ مجھے خوب معلوم ہے کہ تم کیا ہو؟ اس بنا پر خدا تمھیں بہترین روزی مرحمت فرمائے۔ تم سے خوش رہے تمھیں تمھاری منزل پر پہونچائے اور تمھیں فردوسِ اعلیٰ میں جگہ دے اپنی مرحمت سے وہ یقیناً دعا سننے والا ہے۔ خدا تمھیں محفوظ رکھے اور تمھاری سرپرستی فرمائے اور

اپنی رحمت سے تم سے برائیوں کو دور کرے ـــــ یہ میں نے اپنے قلم سے لکھا ہے۔

ساتواں خط

علامہ کشی نے عبدالجبار بن مبارک کے تذکرہ میں ایک اور خط نقل کیا ہے جو امام محمد تقی علیہ السلام نے انھیں مرحمت فرمایا اور کہا کہ عبداللہ بن مبارک کو پہونچا دیا جائے۔ آپؑ تحریر فرماتے ہیں کہ:

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ھذا کتاب من محمد بن علی الھاشمی العلوی لعبد اللہ بن المبارک فتاہ۔ انی اعتقتک لوجہ اللہ والدار الآخرۃ ـ لا رب لک الّا اللہ ولیس علیک السبیل ـ وانت مولای ومولی عقبی من بعدی ـ وکتب فی المحرم سنۃ ثلاث عشرۃ ومأتین۔ (صفحہ ۴۲۶)

ترجمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـ محمد بن علی الہاشمی العلوی کا یہ مکتوب اپنے خادم عبداللہ بن مبارک کے لئے ہے۔ میں نے تمھیں رضائے خدا اور روزِ قیامت کے واسطے آزاد کیا۔ اللہ کے سوا نہ تیرا کوئی مالک ہے نہ تجھ پر کسی کا قبضہ ہے۔ میری زندگی میں تم میرے موالی اور میرے بعد میری اولاد کے موالی ہو۔ محرم ۲۱۳ھ کو تحریر کیا گیا۔

آٹھواں خط

شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب "ثواب الاعمال" میں ایک اور خط نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

ابی رحمہ اللہ قال: حدثنی سعد بن عبد اللہ عن الھیثم بن ابی مسروق النھدی، عن اسماعیل بن سہل قال کتبت الی ابی جعفر الثانی علیہ السّلام علمنی شیئاً اذا انا قلتہ کنت معکم فی الدنیا والآخرۃ، قال: فکتب بخطہ

أعرفه : اكثر من تلاوة " انا انزلنٰه " و رطب شفتيك بالاستغفار۔ (ثواب الاعمال صفحہ ۱۹ باب ثواب الاستغفار۔ جلد ۴۔ مکتبۃ الصدوق۔ تہران ایران)

ترجمہ: شیخ صدوقؒ کے والد فرماتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی سعد بن عبداللہ نے، ان سے ہیثم بن ابی مسروق النہدی نے، اُن سے اسماعیل بن سہل نے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کو خط لکھا کہ مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم کیجیے کہ میں اُسے پڑھا کروں اور آپ کے ساتھ دنیا و آخرت میں ہوں، اسماعیل بن سہل کہتے ہیں کہ امامؑ نے اپنے ہاتھ سے جواب لکھا، میں اُن کا خط پہچانتا ہوں۔ آپ نے تحریر فرمایا "سورۂ انا انزلنٰه" کی اکثر تلاوت کیا کرو اور اپنے ہونٹوں کو استغفار سے تر کرو۔ (یعنی استغفار بہت پڑھا کرو)

امام محمد تقی علیہ السّلام کے ایک مشہور معجزہ پر نقد و نظر

ایک مشہور روایت ہے جو حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے معجزات کے ذیل میں مختلف علماء نے لکھی ہے اور مچھلی و باز کے واقعہ کے طور پر مشہور رہی ہے۔ اس روایت کو ابن حجر نے صواعق محرقہ میں صفحہ ۱۲۳ پر، مطالب السئول میں صفحہ ۲۹۰ پر، مولانا جامی نے شواہد النبوۃ صفحہ ۲۰۴ پر، شبلنجی نے نورالابصار صفحہ ۱۴۵ پر، علامہ ابن شہر آشوب نے کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۱۰۹ پر، علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار جلد ۱۲ صفحہ الف ۱۲۵ پر اور علامہ مجلسیؒ ہی نے جلاءالعیون جلد ۲ صفحہ ۴۴۶ پر تحریر کیا ہے۔ ذیل میں ہم ابن شہر آشوب کا بیان نقل کرتے ہیں۔ بعد میں اس پر تبصرہ کریں گے۔ علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ:

اجتاز المامون بابن الرضا علیہ السلام وھو بین صبیان فھربوا سواہ فقال علی بہ فقال لہ مالک لا ھربت قال مالی ذنب فافر ولا الطریق ضیق فاوسعہ علیک یمر من حیث شئت فقال من تکون قال انا محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب علیھم السلام فقال ما تعرف من علوم فقال

ایک روز مامون امام علی رضا علیہ السلام کے صاحبزادے کے پاس پہنچا، وہ اس وقت بچوں کے درمیان تھے، وہ سب بھاگ گئے سوائے امامؑ کے، اس پر مامون نے کہا اے بچے تو کیوں نہیں بھاگا آپؑ نے کہا میرا کوئی گناہ نہ تھا کہ میں ڈر کر بھاگتا اور راستہ تنگ نہ تھا کہ تیرے لئے وسیع کرتا تو جا جدھر جاتا ہے۔ مامون نے پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین

سلنی عن اخبار السموٰت فودعہ ومضی وعلی یدہ باز اشہب یطلب بہ الصید فلما بعد عنہ نہض عن یدہ الباز فنظر یمینہ وشمالہ لم یر صیدا والباز یثب عن یدہ فارسلہ وطار یطلب الافق حتی غاب عن ناظرہ ساعۃ ثم عاد الیہ وقد صاد حیۃ فوضع الحیۃ فی بیت الطعم وقال لاصحابہ مد ونا حتف ذلک الصبی فی ہذا الیوم علی یدی ثم عاد وابن الرضا فی جملۃ الصبیان فقال ما عندک من اخبار السموٰت فقال نعم یا امیر المؤمنین حدثنی ابی عن ابیہ عن النبی عن جبرئیل عن رب العالمین انہ قال بین السماء والہواء بحر عجاج یتلاطم بہ الامواج فیہ حیات خضر البطون و قط الظہور ولیصید ہا الملوک بالبزاۃ الشہب یمتحن بہا العلماء فقال صدقت وصدق جدک وصدق ربک فارکبہ ثم زوجہ ام الفضل[1]

بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہوں، پوچھا علوم میں سے کچھ جانتے ہو؟ فرمایا مجھ سے آسمان کی خبروں کے متعلق جو چاہو پوچھو، مامون یہ سنکر آگے بڑھ گیا۔ اس کے ہاتھ پر ایک شکاری باز بیٹھا تھا جس سے وہ شکار کھیلنے جا رہا تھا جب شکارگاہ میں پہنچا تو اس نے باز کو ہاتھ پر سے اٹھایا اور دائیں بائیں نظر کی تو کوئی شکار نظر نہ آیا۔ باز ہاتھوں پر پھڑکا تو مامون نے باز چھوڑ دیا اور وہ شکار کی تلاش میں بلندی پر چلا گیا یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو گیا، ایک لمحے کے لئے پھر واپس آیا اس نے سانپ کا شکار کیا تھا مامون نے سانپ کو باورچی خانے میں رکھا اور اپنے دوستوں سے کہا کہ آج اس بچے کی میرے ہاتھ سے موت آئے گی شکارگاہ سے واپس پلٹا تو امامؑ بچوں کے درمیان موجود تھے۔ پوچھا تمھارے پاس آسمان کی خبروں میں سے کیا ہے؟ فرمایا اے امیر المؤمنین میرے والد نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے جبرئیل سے انھوں نے رب العالمین سے وہ فرماتا ہے

---

[1] مناقب آل ابیطالب، محمد بن علی بن شہر آشوب المازندرانی جلد ۵ صفحہ ۱۱۰-۱۰۹ طبع بمبئی

آسمان اور ہوا کے درمیان موجیں مارتا سمندر ہے جس میں سانپ ہیں جن کے پیٹ سبز اور پشت پر دھاریاں ہیں۔ بادشاہ بازوں کے ذریعے ان کا شکار کرتے ہیں اور اس کے ذریعے علماء کا امتحان لیتے ہیں۔ مامون نے کہا آپ نے سچ کہا اور آپ کے جد نے سچ کہا اور اللہ نے سچ کہا۔ پس سوار کرا کے لے گیا اور بعد میں ام الفضل سے ان کی شادی کر دی۔

علامہ مجلسیؒ نے جلاء العیون میں یہ روایت اس طرح بیان کی ہے :۔

چونکہ مامون کو بعد شہادت امام رضاؑ لوگوں نے زبان زدِ لعن وہدفِ ملامت و طعن بنایا تو اس نے چاہا کہ ظاہری طور پر اپنے کو اس جرم وخطا سے بری قرار دے۔ جب خراسان کے سفر سے بغداد واپس آیا تو امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں خط بھیجا اور تمام اعزاز و اکرام سے حضرت کو طلب کیا۔ حضرت بغداد تشریف لائے تو قبل اس کے کہ اس ملعون سے ملاقات کریں وہ ملعون شکار کی غرض سے سوار ہو کر نکلا، راستے میں بچوں کے ایک گروہ کے پاس پہنچا جو کھڑے تھے حضرت بھی انھیں کے درمیان موجود تھے، جب بچوں نے اس کی سواری دیکھی تو وہ منتشر ہو گئے اور حضرت نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی اور نہایت تمکین و وقار سے اپنی جگہ کھڑے رہے یہاں تک کہ مامون حضرت کے قریب پہنچا اور انوارِ امامت کا مشاہدہ کیا اور جلالت دیکھی اور متانت و وجاہت دیکھ کر نہایت متعجب ہوا، سواری روکی اس وقت حضرت کا سن صرف گیارہ سال تھا پوچھا اے لڑکے تو دیگر لڑکوں کی طرح کیوں نہ راستے سے نہ ہٹا اور کیوں اپنی جگہ سے حرکت نہ کی؟ حضرت نے فرمایا کہ اے خلیفہ راستہ تنگ نہ تھا کہ میں تیرے لیے کشادہ کرتا اور میرا کوئی جرم وخطا نہ تھی کہ تجھ سے گریز کرتا۔ اور میرا یہ گمان نہیں کہ تو کسی کو بے جرم سزا دے، یہ بات سن کر مامون کا تعجب اور زیادہ ہو گیا اور ان کے حسن و جمال کے مشاہدے سے دل بیتاب ہو گیا۔ پوچھا

تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا میرا نام محمد ہے۔ پوچھا کس کے بیٹے ہو؟ کہا علی بن موسیٰ الرضاؑ۔ جب ان کا نسب شریف سنا تعجب زائل ہوگیا اور وہ شقی، مجرم منفعل ہوگیا اور حضرت پر صلاۃ و رحمت بھیجی اور روانہ ہوا۔ جب صحرا میں پہنچا تو اس کی نظر تیتر پر پڑی پس اس پر باز چھوڑا۔ پس باز کچھ مدت کے لئے غائب ہوگیا پھر ہوا سے واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی مچھلی تھی جس میں جان باقی تھی مامون نے اسے دیکھا تو خوش ہوا اور مچھلی کو مٹھی میں پکڑ کر واپس ہوا۔ پس جب اس مقام پر پہنچا جہاں سے گذرتے وقت حضرت سے ملاقات کی تھی اس نے پھر دیکھا کہ تمام بچے منتشر ہوگئے لیکن حضرت اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مامون نے کہا اے محمد یہ بتاؤ کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ حضرت نے ملک علام کے الہام سے بتایا کہ حق تعالیٰ نے چند دریا خلق کئے ہیں کہ ابر ان دریاؤں سے بلند ہوتا ہے، اور مچھلیاں اس ابر کے ساتھ اوپر چلی جاتی ہیں اور بادشاہ کے باز ان کا شکار کرتے ہیں اور بادشاہ انھیں اپنی مٹھی میں لیتے ہیں اور سلالۂ نبوت کے برگزیدہ بندوں کا امتحان لیتے ہیں۔ مامون کا تعجب اس معجزے کو دیکھ کر اور زیادہ ہوگیا اور کہا کہ بے شک تم امام رضاؑ کے فرزند ہو اور ان بزرگوں کے فرزند سے اس قسم کے معجزات بعید نہیں۔ پس حضرت کو طلب کیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا اور حضرت کا ام الفضل سے جو خود مامون کی بیٹی تھی نکاح کا ارادہ کیا۔[1]

نقد و نظر

یہ معجزہ کئی وجوہ سے قابلِ توجہ اور مشکوک ہے جنھیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ علامہ مجلسیؒ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عموماً وضاحت کر دیتے ہیں کہ فلاں واقعہ بسند معتبر وارد ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند علامہ مجلسیؒ کے نزدیک

---

[1] جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۲۳۶-۲۳۷ علامہ مجلسیؒ۔ کتاب فروشی اسلامیہ تہران۔

معتبر ہوتی ہے لیکن دوسرے محدثین اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ یہی طریقہ علامہ مجلسیؒ نے جلاء العیون میں بھی برقرار رکھا ہے لیکن اس واقعہ کی نہ سند بیان کی ہے نہ ہی اس پر تبصرہ کیا ہے۔ اگر یہ واقعہ ان کے نزدیک بسند معتبر وارد ہوتا تو وہ اس کی تصریح کرتے۔ علامہ ابن شہر آشوبؒ نے بھی اس واقعے کی کوئی سند ذکر نہیں کی ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ مشکوک ہے۔

۲۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے الارشاد میں، علامہ محسن الامینؒ نے اعیان الشیعہ میں، ہاشم معروف الحسینی نے سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر میں، علامہ قطب الدین ابوالحسن سعید بن ھبۃ اللہ راوندیؒ نے الخرائج والجرائح میں اس واقعہ کو ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ علامہ مفیدؒ متقدم ہیں۔

۳۔ روایتوں میں بہت تضاد ہے۔ مثلاً

ا۔ مناقب میں ہے کہ سب بچوں کے بھاگنے کے بعد مامون کے سوال کے جواب میں حضرتؑ نے دو باتیں کہیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے کوئی گناہ نہ کیا تھا اور دوسرے یہ کہ راستہ تنگ نہ تھا۔ جبکہ علامہ مجلسیؒ نے تیسری بات نقل کی ہے کہ میرا یہ گمان نہیں کہ بغیر جرم کے تو سزا دے گا۔ یہ جملہ مناقب میں نہیں ہے۔

ب۔ مناقب میں ہے کہ امامؑ نے فرمایا "جدھر جاتا ہے جا" علامہ مجلسیؒ نے یہ جملہ نقل نہیں کیا ہے۔

ج۔ مناقب میں ہے کہ مامون نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو حضرتؑ نے اپنے سے لیکر حضرت ابوطالبؑ تک پورا شجرہ بتایا جبکہ علامہ مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ امامؑ نے صرف اپنا نام بتایا اور بعد میں دوسرے سوال کے جواب میں والدؑ کا نام بتایا، شجرہ نہیں بتایا۔

د۔ مناقب میں ہے کہ مامون نے حضرتؑ سے سوال کیا کہ کچھ علوم بھی جانتے ہو تو

حضرتؑ نے جواب میں فرمایا کہ آسمانوں کی خبروں کے متعلق جو چاہو پوچھو جبکہ علامہ مجلسیؒ نے یہ سوال و جواب نقل نہیں کئے ہیں۔

ہ ۔ مناقب میں ہے کہ مامون شکارگاہ پہنچا، جبکہ علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ صحرا میں پہنچا، حالانکہ صحرا میں شکار نہیں ہوتا۔

و ۔ مناقب میں ہے کہ مامون کو شکار نظر نہ آیا، جبکہ علامہ مجلسیؒ نے تحریر کیا ہے کہ تیتر نظر آیا، تیتر ہمیشہ درختوں اور جھاڑیوں میں ہوتا ہے۔ اس سے بھی علامہ مجلسیؒ کے مندرجۂ بالا بیان کی تردید ہوتی ہے کہ مامون صحرا میں پہنچا۔

ز ۔ مناقب میں ہے کہ باز سانپ شکار کر کے لایا، جبکہ مجلسیؒ نے مچھلی کا تذکرہ کیا ہے۔

ح ۔ مناقب میں ہے کہ مامون نے کہا کہ اس بچے کی آج میرے ہاتھ سے موت آئے گی، جبکہ علامہ مجلسیؒ کے بیان میں یہ جملے نہیں پائے جاتے۔

ط ۔ مناقب میں ہے کہ واپسی پر امامؑ بچوں کے پاس کھڑے تھے جبکہ علامہ مجلسیؒ نے دوبارہ بچوں کے بھاگ جانے کو لکھا ہے۔

ی ۔ مناقب میں مامون کا حضرتؑ سے سوال ہے کہ بتاؤ آسمان کی کیا خبر تمہارے پاس ہے تو جواب میں حضرتؑ نے ایک حدیث سلسلۂ سند کے ساتھ بیان کی جس میں یہ ہے کہ اللہ نے آسمان اور ہوا کے درمیان موجیں مارتا سمندر خلق کیا ہے پھر سانپ کی صفات بیان کر کے بیان فرمایا ہے کہ بادشاہ کے باز شکار کرتے ہیں اور علماء کا امتحان لیتے ہیں۔ جبکہ علامہ مجلسیؒ نے نہ اس سوال کا تذکرہ کیا ہے اور نہ ہی حدیث بیان کی ہے نہ سانپوں کا تذکرہ کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ کچھ دریا خلق ہیں جن سے بادل بنتے ہیں اور بادلوں میں مچھلیاں جاتی ہیں جنھیں شکار کرتے ہیں۔

ک ۔ مناقب میں ہے کہ مامون نے حضرتؑ کے آباء و اجداد اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی

جبکہ علامہ مجلسیؒ کے الفاظ یہ نہیں ہیں۔

۳۔ مناقب میں ہے کہ مامون حضرتؑ کو ساتھ سوار کروا کے لیتا گیا جبکہ علامہ مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ بعد میں بلایا ـــــ ان بارہ تضادات کی موجودگی میں اس روایت کی صحت مشکوک ہے۔

۴۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ مامون آپؑ کو مدینہ سے طلب کرے اور آپؑ کو بغداد لانے کے بعد مامون سے نہ ملایا جائے۔!

۵۔ اگر یہ بات درست مان بھی لی جائے کہ کچھ روز حضرتؑ مامون کے پاس نہیں گئے تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرتؑ نے راہ میں اپنا تعارف کروا دیا تھا (جیسا کہ اس روایت میں ہے) اور حضرتؑ بھی یہ جانتے تھے کہ یہ مامون ہے تو پھر دونوں مہمان و میزبان کی حیثیت سے ملتے اور مامون یونہی امتحان نہ لیتا۔

۶۔ یہ روایت ہمارے ائمہ علیہم السلام کے طرز عمل کے بالکل خلاف ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ حضرتؑ کچھ لڑکوں کے درمیان کھڑے تھے جو کھیل رہے تھے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لیکر آخری امامؑ تک کسی کے لئے یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی کہ ان حضراتؑ میں سے کسی نے طفولیت کے عالم میں بھی کھڑے ہو کر بچوں کا کھیل دیکھا ہو یا یونہی بلاضرورت راہ میں کھڑے ہو گئے ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ روایت بلاسند ہے اور اس میں بارہ تضادات ہیں۔ اور اگر ابن حجر کی روایت بھی لی جائے تو ایک اختلاف اور بڑھ جاتا ہے۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا کہ "اللہ نے ہوا آسمان اور پانی کے درمیان دریا خلق کیا ہے" جبکہ مندرجہ بالا دونوں روایات اس کی مخالف ہیں۔ اس حقیر کے نزدیک درج بالا وجوہ کی بناء پر یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احادیث سلاسل الذہب

ذیل میں ہم بعض وہ احادیث نقل کرتے ہیں جن کو امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے آباء طاہرین کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ ایسی حدیث جس کے سب راوی معصوم ہوں "سلسلۃ الذہب" کی حدیث کہلاتی ہے (یہ احادیث کشف الغمہ جلد۲ صفحہ ۳۴۵ تا ۳۵۰ سے لی گئی ہیں)

۱۔ عن الجواد علیہ السلام عن آبائہ علیہم السلام عن علی علیہ السلام قال: بعثنی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الیمن فقال لی وھو یوصنی: یا علیؑ ما حار من استخار ولا ندم من استشار، یا علیؑ علیک بالدلجۃ فان الارض تطوی فی اللیل مالا تطوی بالنہار، یا علیؑ اغد باسم اللہ فان اللہ بارک لامتی فی بکورھا، وقال علیہ السلام من استفاد أخا فی اللہ فقد استفاد بیتاً فی الجنۃ۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ۔ جلد۲ صفحہ ۳۴۶)

ترجمہ: امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کے واسطے سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف بھیجتے ہوئے وصیت کرتے ہوئے فرمایا اے علیؑ جس نے بھلائی چاہی وہ ہلاک نہ ہوا اور جس نے مشورہ لیا وہ پشیمان نہ ہوا۔ اے علیؑ ساری رات سفر کیا کرو کیونکہ زمین رات میں اتنی سکڑ جاتی ہے جتنی دن میں نہیں سکڑتی، اے علیؑ اللہ کا نام لے کر صبح کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو صبح سویرے اٹھنے میں برکت دی ہے۔ پھر فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں کسی بھائی کو فائدہ پہنچایا اس نے جنت میں ایک گھر بنا لیا۔

۲۔ وعنہ عن علی علیہ السلام قال: فی کتاب علی بن ابی طالب علیہ السلام ان ابن

آدم أشبه شئ بالمعيار اما راجح بعلم۔ وقال مرة بعقل۔ اوناقص بالجهل۔

ترجمہ: امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے آباء کرام کے واسطے سے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے، فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ کی کتاب میں ہے کہ انسان ترازو سے سب سے زیادہ مشابہ ہے جو علم سے بھاری ہوتا ہے۔ اور فرمایا کہ کبھی عقل سے۔ یا جہل سے ہلکا ہو جاتا ہے۔

۳۔ وعنه عليه السلام من وثق بالله اراه السرور ومن توكل عليه كفاه الامور، والثقة بالله حصن لا يتحصن فيه الّا مؤمن امين۔ والتوكل على الله نجاة من كل سوء وحرز من كل عدو، والدين عز، والعلم كنز، والصمت نور، وغاية الزهد الورع، ولا هدم للدين مثل البدع، ولا افسد للرجل من الطمع، وبالراعي تصلح الرعية، و بالدعاء تصرف البلية، ومن ركب مركب الصبر اهتدى الى مضمار النصر، ومن عاب عيب، ومن شتم اجيب، ومن غرس اشجار التقى اجتنى ثمار المنى۔

ترجمہ: امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ پر اعتماد کیا اس کو خوشی ملی اور جس نے اس پر توکل کیا اس کے امور میں اللہ کافی ہو گیا۔ اللہ پر اعتماد ایک ایسا قلعہ ہے جس میں امانت دار مومن کے سوا کوئی نہیں قلعہ بند ہو سکتا، اور اللہ پر توکل ہر برائی سے نجات اور ہر دشمن سے بچاؤ کا راستہ ہے، دین عزت ہے، علم خزانہ ہے، خاموشی نور ہے، دنیا سے کنارہ کشی کی غایت اللہ کا خوف ہے اور بدعت جیسی دین کو ڈھانے والی کوئی چیز نہیں اور لالچ سے بڑھ کر انسان کو خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں، رعیت رہنما ہی سے سدھرتی ہے اور دعا سے بلائیں دور ہوتی ہیں، جو صبر کے

گھوڑے پر سوار ہوا وہ مدد کے مقام تک پہونچا، جس نے عیب لگایا اس پر عیب لگا، جو گالی دے گا جواب پائے گا، اور جس نے تقویٰ کے درختوں کی آبیاری کی اس کے لئے ان درختوں سے امیدوں کے پھل نکل آئے۔

۴۔ وقال علیہ السلام: اربع خصال تعین المرء علی العمل، الصحۃ، والغنیٰ، والعلم، والتوفیق۔

ترجمہ: آپؑ نے فرمایا: چار صفتیں عمل کرنے میں آدمی کی مدد کرتی ہیں، صحت، تونگری، علم، خدا کی توفیق۔

۵۔ وقال علیہ السّلام ان للّٰہ عبادیخصھم بالنعم، ویقرھا فیھم مابذلوھا، فاذا منعوھا نزعھا عنھم وحوّلھا الی غیرھم۔

ترجمہ: امامؑ نے فرمایا: اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جنھیں اللہ نے نعمتوں سے مخصوص کیا ہے اور ان نعمتوں میں سے جو وہ عطا کرتے ہیں اللہ انہیں ان نعمتوں کو قرار دیتا ہے اور اگر بخشش کو روکتے ہیں تو ان سے نعمتوں کو چھین لیتا ہے اور دوسروں کی طرف پھیر دیتا ہے۔

۶۔ وَقَالَ علیہ السّلام من امل انساناً فقد ھابہ، ومن جھل شیئاً عابہ والفرصۃ خلسۃ، ومن کثرھمہ سقم جسدہ، والمؤمن لا یشتفی غیظہ، وعنوان صحیفۃ المؤمن حسن خلقہ۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: جس نے کسی انسان سے امید وابستہ کی اُس نے اس کو ڈرایا، اور جو کسی چیز سے جاہل رہا اُس نے اس کو عیب لگایا، اور فرصت تو اچھی فرصت ہے جس نے غم زیادہ کر لئے اس کا جسم بیمار پڑے گا۔ مؤمن وہ ہے جس کو غصہ تسکین نہیں پہنچاتا اور صحیفۂ مومن کا عنوان اس کا حُسنِ خلق ہے۔

۷۔ وقال علیہ السّلام من استغنی باللّٰہ افتقر النّاس الیہ ومن اتقی اللّٰہ احبہ النّاس وان کرھوا۔

ترجمہ: امام علیہ السّلام نے فرمایا: جس نے اللہ سے غنیٰ چاہا لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں چاہے وہ کرنا نہ بھی چاہیں۔

۸۔ وقال علیہ السلام: علیکم بطلب العلم فان طلبہ فریضۃ، والبحث عنہ نافلۃ، وھو صلۃ بین الاخوان، ودلیل علی المروۃ و تحفۃ فی المجالس وصاحب فی السفر وانس فی الغربۃ۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: تم پر علم حاصل کرنا واجب ہے کیونکہ اس کا طلب نا فرض ہے اور اس کی تحقیق اس پر مستزاد ہے اور وہ بھائیوں کے درمیان واسطہ اور مردانگی کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے اور مجلسوں کا تحفہ اور سفر کا ساتھی اور غربت میں مونس و ساتھی ہے۔

۹۔ وقال علیہ السّلام: الجمال فی اللسان والکمال فی العقل۔

ترجمہ: امام علیہ السّلام نے فرمایا: خوبصورتی زبان کی وجہ سے ہے اور کمال عقل کی وجہ سے۔

۱۰۔ وقال علیہ السّلام العفاف زینۃ الفقر، والشکر زینۃ الغنی، و الصبر زینۃ البلاء، والتواضع زینۃ الحسب، والفصاحۃ زینۃ الکلام، والعدل زینۃ الایمان، والسکینۃ زینۃ العبادۃ، والحفظ زینۃ الروایۃ، وخفض الجناح زینۃ العلم وحسن الادب زینۃ العقل، وبسط الوجہ زینۃ الحلم، والایثار زینۃ الزھد، و بذل المجھود زینۃ النفس، وکثرۃ البکاء زینۃ الخوف، و التقلل زینۃ القناعۃ، وترک المن زینۃ المعروف، والخشوع زینۃ الصلاۃ، وترک مالا یعنی زینۃ الورع۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا فقر کی زینت عفت ہے، تونگری کی زینت اس پر شکر

ہے، امتحان کی زینت صبر ہے، شرافت کی زینت خاکساری ہے، گفتگو کی زینت فصاحت ہے، ایمان کی زینت عدل ہے، عبادت کی زینت سکون ہے، روایت کی زینت اس کی حفاظت میں ہے، علم کی زینت استاد کے سامنے جھکنے میں ہے اور عقل کی زینت حسنِ اخلاق میں ہے اور حلم کی زینت خوش روی میں ہے، زہد کی زینت ایثار میں ہے اور نفس کی زینت محنت کی کمائی دوسرکو عطا کرنے میں ہے اور خوف کی زینت زیادہ گریہ وزاری میں ہے اور قناعت کی زینت کم پر راضی رہنے میں ہے اور قطع رحمی نہ کرنا نیکی کی زینت ہے، نماز کی زینت گڑگڑانے میں ہے اور پرہیزگاری کی زینت بے معنی چیزوں کو چھوڑنے میں ہے۔

١١- وقال علیہ السلام: حسب المرء من کمال المروۃ، وترکہ مالا یجمل بہ، ومن حیائہ ان لا یلقی أحداً بما یکرہ، ومن عقلہ حسن رفقہ، ومن أدبہ ان لا یترک مالا بد لہ منہ، ومن عرفانہ علمہ بزمانہ! ومن ورعہ غض بصرہ وعفۃ بطنہ، ومن حسن خلقہ کفہ أذاہ، واخراجہ حق اللہ من مالہ، ومن اسلامہ ترکہ مالا یعنیہ، وتجنبہ الجدال، والمراء فی دینہ، ومن کرمہ ایثارہ علی نفسہ، ومن صبرہ قلۃ شکواہ، ومن عقلہ انصافہ من نفسہ، ومن حلمہ ترکہ الغضب عند مخالفتہ، ومن انصافہ قبولہ لحق اذا بان لہ، ومن نصحہ نہیہ عما لا یرضاہ لنفسہ، ومن حفظہ جوارک، ترکہ توبیخک عند اسائتک مع علمہ بعیوبک ومن صداقتہ کثرۃ موافقتہ وقلۃ مخالفتہ، ومن صلاحہ شدۃ خوفہ من ذنوبہ، ومن شکرہ معرفۃ احسان من أحسن الیہ، ومن تواضعہ معرفتہ بقدرہ، ومن حکمتہ علمہ بنفسہ، ومن سلامتہ قلۃ حفظہ لعیوب غیرہ، وعنایتہ باصلاح عیوبہ۔ (ملخصاً)

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: آدمی کی عزت مردانگی کے کمال میں ہے اور اس میں کہ جس کا وہ متحمل نہیں ہو سکتا اس کو چھوڑ دے اور اس کی حیا یہ ہے کہ جس چیز کو وہ ناپسند کرتا ہو اس میں کسی کو نہ مبتلا کرے، اور اس کی عقل اُس کا دوسروں کو اچھی طرح فائدہ پہنچانا ہے اور اُس کا ادب یہ ہے کہ جو اُس کے لئے ضروری ہو اس کو نہ چھوڑے اور اس کی معرفت یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے علم کو جانتا ہو اور اس کی پرہیزگاری یہ ہے کہ وہ آنکھوں کو بچاتا اور اپنے باطن کو پاک رکھتا ہے اور اُس کا حسنِ خلق یہ ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی اذیت سے محفوظ رکھتا ہے اور اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے اور بے معنی چیز کو چھوڑنا اس کے اسلام میں سے ہے، وہ جھگڑے سے دور رہتا ہے اور دین میں مردانگی دکھاتا ہے اور اس کی فضیلت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس پر ایثار کرتا ہے اور اس کا صبر یہ ہے کہ وہ شکوہ کم کرتا ہے اور اس کی عقل یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے انصاف کرتا ہے اور اس کا حلم یہ ہے کہ جب اس کی مخالفت کی جاتی ہے تو وہ غصہ نہیں کرتا اور اس کا انصاف یہ ہے کہ جب حق اس پر واضح ہو جاتا ہے تو وہ اس کو قبول کر لیتا ہے اُس کی نصیحت اُس چیز کو منع کرنے پر ہوتی ہے جس کو وہ خود اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتا، اس کی ہمسائیگی تمہارے لئے باعث حفاظت ہے اور جب تم برائی کرو تو وہ تمہارے عیبوں کا علم رکھنے کے باوجود تمہاری سرزنش نہیں کرے گا۔ اس کی دوستی یہ ہے کہ وہ کثرت سے موافقت کرتا اور مخالفت کم کرتا ہے اور اس کی اچھائی یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے بارے میں بہت خوف کرتا ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ وہ اپنے پر احسان کرنے والے سے اچھا سلوک کرتا ہے اور اس کی تواضع یہ ہے کہ وہ اپنی قدرت کے مطابق حسن سلوک کرتا ہے اور اُس کی عظمت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو جانتا ہے اور اس کی سلامتی یہ ہے کہ وہ دوسروں کے عیبوں سے اپنے کو محفوظ رکھتا ہے اپنے عیبوں کی اصلاح پر توجہ دیتا ہے۔ (ملخصاً)

۱۲ ۔ وقال علیہ السلام: لن یستکمل العبد حقیقة الایمان حتی یؤثر دینه علی شهوته، ولن یهلك یؤثر شهوته علی دینه ۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی بندہ حقیقت ایمان کے کمال تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش نفس پر دین کو غالب نہ کرے کبھی نہیں ہلاک ہوتا جب کہ وہ اپنے دین پر خواہش نفس کو حاوی کرلیتا ہے ۔

۱۳ ۔ وقال علیہ السلام: الفضائل أربعة أجناس: أحدها الحکمة وقوامها فی الفکرة والثانی العفة وقوامها فی الشهوة، والثالث القوة وقوامها فی الغضب، والرابع العدل وقوامه فی اعتدال قوی النفس ۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: فضائل کی چار قسمیں ہیں ان میں پہلی حکمت ہے اور اس کی بنیاد غور وفکر پر ہے، دوسری پاکیزگی ہے اور اس کو نفس میں باقی رکھنا، تیسری قوت ہے اور اس کی بنیاد غصہ پر ہے اور چوتھی عدل ہے اور اس کی بنیاد نفس کی قوتوں کے اعتدال پر ہے ۔

۱۴ ۔ وقال علیہ السلام: العامل بالظلم والمعین له والراضی به شرکاء ۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: ظلم سے حکومت کرنے والا، اس کا مددگار اور اس پر راضی رہنے والا سب شریک ہیں ۔

۱۵ ۔ وقال علیہ السلام: یوم العدل علی الظالم أشد من یوم الجور علی المظلوم ۔

ترجمہ: امامؑ نے فرمایا ظالم پر یوم عدل، مظلوم پر یوم ظلم سے زیادہ سخت ہوتا ہے ۔

۱۶ ۔ وقال علیہ السلام: العلماء غرباء لکثرة الجهال بینهم ۔

ترجمہ: امامؑ نے فرمایا: علماء اجنبی ہوتے ہیں کیونکہ ان کے درمیان جاہلوں کی کثرت ہوتی ہے ۔

۱۷ ۔ وقال علیہ السلام: الصبر علی المصیبة مصیبة علی الشامت بها ۔

ترجمہ: امامؑ نے فرمایا: مصیبت میں صبر بد خواہی چاہنے والے پر مصیبت ہوتا ہے ۔ (یعنی

جو بدخواہی کرے اس پر دو گنا صبر پڑتا ہے۔)

۱۸۔ وقال علیہ السّلام: التوبۃ علی اربع دعایم: ندم بالقلب، واستغفار باللسان، وعمل بالجوارح، وعزم أن لا یعود، وثلاث من عمل الابرار، اقامۃ الفرائض، واجتناب المحارم، واحتراس من الغفلۃ فی الدین۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: توبہ کی عمارت چار ستونوں پر قائم ہے۔ دل سے پشیمانی، زبان سے اللہ کی مغفرت طلب کرنا، اور اعضاء سے عمل کرنا اور اس بات کا عزم کہ اس کام کی طرف پھر نہ لوٹوں گا، اور تین چیزیں نیک لوگوں کے اعمال میں سے ہیں، فرائض پورے کرنا، حرام چیزوں سے بچنا اور دین میں غفلت سے بچنا۔

۱۹۔ وقال علیہ السلام: لوسکت الجاھل ما اختلف النّاس۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر جاہل خاموش ہو جائیں تو لوگوں میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

۲۰۔ وقال علیہ السّلام واربع من کن فیہ استکمل الایمان من اعطی للہ، ومنع فی اللہ، وأحب للہ، وابغض فیہ، وثلاث من کن فیہ لم یندم: ترک العجلۃ، و المشورۃ، والتوکل عند العزم علی اللہ عزوجل۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا جس میں چار چیزیں ہوں وہ ایمان کا ساتھی ہو گیا، جو اللہ کے لئے عطا کرے، اللہ کے لئے منع کرے، اللہ کے لئے محبت کرے اور اللہ کیلئے نفرت کرے، اور جس میں تین چیزیں ہوں وہ کبھی نادم نہیں ہوتا۔ (۱) جلد بازی چھوڑ دے (۲) مشورہ کرے (۳) اور ہر کام کرتے وقت اللہ پر توکل کرے۔

۲۱۔ وقال علیہ السّلام: ثلاث خصال تجتلب بھن المحبۃ، الانصاف فی المعاشرۃ، والمواساۃ فی الشدۃ، والانطواع والرجوع الی قلب سلیم۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: تین صفتیں ایسی ہیں جن سے محبت کھنچی جاتی ہے۔ معاشرے سے انصاف کرنا اور سختی کے موقع پر مال سے دوسرے کی مدد کرنا اور قلب سلیم کی طرف

رجوع اور اس کی فرمانبرداری۔

۲۲۔ وقال علیه السّلام: فساد الاخلاق بمعاشرة السفهاء، وصلاح الاخلاق بمنافسة العقلاء والخلق اشکال فکل یعمل علی شاکلته، والناس اخوان، فمن کانت أخوته فی غیر ذات الله فانها تحوز عداوة، وذالك قوله تعالیٰ: والاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین (الزخرف ۶۷)

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بے وقوفوں کی صحبت میں بیٹھنا اخلاق کے بگڑنے کا سبب ہوتا ہے اور عقلمندوں کی صحبت میں بیٹھنا اخلاق کی اصلاح کا سبب ہے اور مخلوق کی طبیعتیں مختلف ہیں ہر ایک اپنی طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے اور لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں اور جس کی دوستی اللہ کے غیر سے ہے وہ دوستی عداوت جمع کرتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو آپس میں دوست ہیں وہ اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقیوں کے۔

۲۳۔ وقال علیه السّلام: من استحسن قبیحاً کان شریکاً فیه۔

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: جس نے برائی کو اچھی نظر سے دیکھا وہ اس میں شریک ہوا۔

۲۴۔ وقال علیه السّلام: کفر النعمة داعیة المقت ومن جازاك بالشکر فقد أعطاك اکثر ممّا أخذ منك۔

ترجمہ: امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ کفرانِ نعمت ناراضگی کو دعوت دیتا ہے اور جس نے تمہارا شکر ادا کیا اس نے جتنا تم سے لیا ہے اس سے زیادہ عطا کیا۔

۲۵۔ وقال علیه السّلام: وثلاث بلغن بالعبد رضوان الله، کثرة الاستغفار، وخفض الجانب، وکثرة الصدقة۔

ترجمہ: امامؑ نے فرمایا تین چیزیں بندے کو اللہ کی رضا تک پہنچاتی ہیں (۱) استغفار کی کثرت، اللہ کے سامنے جھکنا اور کثرت سے صدقہ دینا۔ (صاحب کشف الغمہ نے یہ تمام احادیث جنابذی کی کتاب معالم العترة الطاہرہ سے لی ہیں۔)

اِرشادات

۱۔ توسّدِ الصبر و اعتنق الفقر وارفض الشهوات : وخالف الهوی۔ واعلم انک لن تخلو من عین اللہ فانظر کیف تکون۔

صبر پر تکیہ کرنا، فقر کو گلے لگانا، شہوات کو چھوڑنا، خواہشات کی مخالفت کرنا اور یہ جان لو کہ تم اللہ کی آنکھ سے دُور نہیں پس یہ دیکھتے رہو کہ تم کیسے ہو۔

○

۲۔ من شھد امراً فکرہ کان لمن غاب عنہ، ومن غاب عن امر فرضیہ کان لمن شھدہ۔

جس نے کسی معاملے کو دیکھا اور اس سے نفرت کی وہ اس طرح ہے جیسے وہاں موجود ہی نہیں تھا اور جو وہاں سے غائب رہا لیکن اس بات پر راضی ہے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اسے دیکھا۔

○

۳۔ من اصغی الی ناطقٍ فقد عبدہ، فان کان الناطق عن اللہ فقد عبد اللہ، وان کان الناطق ینطق عن لباس ابلیس۔

جس نے کسی بات پر کان دھرے گویا اس کی عبادت کی۔ اللہ سے بات کرنیوالا وہ ہے جس نے اللہ کی عبادت کی چاہے وہ ابلیس کے لباس میں اللہ سے کلام کرے۔

○

۴۔ وقال تاخیر التوبۃ اغترار، وطول التسویف حیرۃ۔ والاعتلال علی اللہ ھلکۃ، والاصرار علی الذنب آمن لمکر اللہ۔

ع‍ نمبر ۴ تک تمام ارشادات تحف العقول سے لئے گئے ہیں صفحہ ۳۳۔ ۳۳۵

دیر سے توبہ کرنا غفلت ہے اور دیر تک افسوس کرنا حیرت ہے۔ اللہ کو کمزور سمجھنا ہلاکت ہے اور گناہ پر اصرار کرنا اللہ کی تدبیروں سے نہ ڈرنا ہے۔

○

۵۔ اظهار الشیٔ قبل ان یستحکم مفسدۃ له۔

کسی شئے کا اظہار اس کے مستحکم ہونے سے قبل کرنا اس کو برباد کرنا ہے۔

○

۶۔ المؤمن یحتاج الیٰ توفیق من الله وواعظ من نفسه وقبول ممن ینصحه۔

مومن کو اللہ کی توفیق۔ اپنے نفس کے واعظ کی اور جو کوئی اسے نصیحت کرے اُسے قبول کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

○

۷۔ الحوائج[ع] تطلب بالرجاء وھی تنزل بالقضاء والعافیۃ احسن عطاء۔

حاجتیں امید پر طلب کی جاتی ہیں اور خدا کے حکم سے نازل ہوتی ہیں اور عافیت سب سے بہتر عطا ہے۔

○

۸۔ لا تعاد احداً حتیٰ تعرف الذی بینه وبین الله تعالیٰ فان کان محسناً فانه لا یسلمه الیك وان کان مسیئاً فان علمك به یکفیه فلا تعاده۔

تم میں سے کوئی کسی سے دشمنی نہ رکھے یہاں تک کہ جان لے کہ اس کے ـــــ اور اللہ کے درمیان کیا تعلق ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو اللہ اسے تمہارے حوالے نہ کرے گا اور اگر گنہگار ہے تو تمہارا علم اس کے متعلق اس کے لئے کافی ہے

ع یہاں سے نمبر ۱۱ تک ارشادات اعلام الدین سے لئے گئے ہیں۔

پس اس سے دشمنی نہ کرو (یعنی جب اُسے یہ پتہ چل جائے گا کہ تم اس کی گناہ آلودہ زندگی سے واقف ہو تو اس کے درست ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔

○

۹۔ لا تکن ولی للہ فی علانیتہ وعدواً لہ فی السر۔

نہ بنو اللہ کے دوست اعلانیہ اور اس کے دشمن چھپ کر۔

○

۱۰۔ التحفظ علیٰ قدر الخوف۔

تحفظ اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ خوف ہو۔

○

۱۱۔ الایام تھتک لک الامر عن الاسرار الکامنۃ۔

زمانہ تمھارے لئے چھپے ہوئے رازوں سے بات کھول دیتا ہے۔

○

۱۲۔ کیف یضیع من اللہ کفیلہ۔عہ

جس کا سرپرست خدا ہو وہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے۔

○

۱۳۔ کیف ینجو من اللہ طالبہ۔

وہ شخص کیسے بچ سکتا ہے جس کا اللہ طالب ہو۔

○

۱۴۔ من انقطع الیٰ غیر اللہ، وکلہ اللہ الیہ۔

جو کوئی خدا کے سوا دوسرے کی طرف منہ کرتا ہے۔ اللہ اس کو اسی شخص پر چھوڑ دیتا ہے۔

عہ الدرۃ الباھرۃ

۱۵۔ من عمل علی غیر علمٍ کان ما افسد اکثر ممّا اصلح۔

جس نے بغیر علم کے عمل کیا اُس نے اصلاح سے زیادہ فساد مچایا۔

○

۱۶۔ القصد الی اللہ تعالیٰ بالقلوب ابلغ من اتعاب الجوارح بالاعمال۔[1]

وہ نیت جو صمیم قلب اور خدا کے لئے ہو وہ اس عمل سے بہتر ہے جس میں اعضا بہت تھک جائیں۔

○

۱۷۔ من اطاع ھواہ اعطی عدوہ مناہ۔[2]

جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اس نے اپنے دشمن کو اس کی تمنا عطا کر دی۔

○

۱۸۔ من ھجر المداراۃ قارنہ المکروہ۔[3]

جس نے آدمیوں کی خاطر مدارات ترک کر دی وہ مکروہ چیزوں سے قریب ہو گیا۔

○

۱۹۔ من لم یعرف الموارد اعیتہ المصادر۔[4]

جو کوئی راستہ چلے اور اسے نہ جانے کہ کس طرف جا رہا ہے وہ اس سے نکلنے کی ترکیب بھی نہیں جانتا ہو گا۔ (یعنی پھنس جائے گا)

○

۲۰۔ من انقاد الی الطمانیۃ قبل الخبرۃ فقد عرض نفسہ للھلکۃ والعاقبۃ المتعبۃ۔[5]

جس نے جستجو سے پہلے قطعیت نہ جانی اس نے خود کو ہلاکت میں ڈالا اور اُس کی

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۷۔ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً۔

عاقبت اس عمل سے خراب ہوئی۔

○

۲۱۔ راکب الشھوات لا یستقال لہ عثرۃ [1]

جس نے شہوت رانی اپنا پیشہ بنالیا وہ ہمیشہ لغزش کرتا رہے گا۔

○

۲۲۔ الثقۃ باللہ ثمن لکل غالٍ۔ وسُلّمٌ الی عالٍ۔ [2]

اللہ تعالیٰ پر اعتماد سے ہر گرانبہا چیز حاصل ہو جاتی ہے اور ہر ترقی تک پہونچنے کا زینہ ہے۔

○

۲۳۔ ایاک ومصاحبۃ الشریر فانہ کالسیف المسلول یحسن منظرہ ویقبح اثرہ۔ [3]

شریر کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دو کیونکہ وہ چمکدار تلوار کی طرح ہے کہ دیکھنے میں اچھی لگتی ہے لیکن اس کا اثر برا ہوتا ہے۔

○

۲۴۔ اذا نزل القضاء ضاق الفضاء۔ [4]

جب اللہ کا حکم آگیا تو فضا تنگ ہو جاتی ہے۔

○

۲۵۔ کفیٰ بالمرء خیانۃ ان یکون امیناً للخونۃ۔ [5]

کسی کے خیانت کار ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خیانت داروں کا امین ہو۔

---

[1] الدرۃ الباہرۃ ۴۰ [2] بحار الانوار جلد ۱۷ [3] مستدرک جلد ۲ ۳۸۶ [4] الدرۃ الباہرۃ صفحہ ۸۲
[5] بحار الانوار جلد ۱۷۔

۲۶۔ عز المومن غناه عن الناس۔ [۱]

مؤمن کی عزت دوسروں سے بے نیازی سے ہے۔

○

۲۷۔ نعمة لا تشکر کسیئة لا تغفر۔ [۲]

وہ نعمت جس کا شکر ادا نہ کیا گیا ہو وہ ایسا گناہ ہے جو بخشا نہ گیا ہو۔

○

۲۸۔ لا یضرك سخط من رضا ہ الجور۔ [۳]

جو جَور پر راضی ہو اُس کا غصہ تجھے کوئی نقصان نہیں پہونچائے گا۔

○

۲۹۔ من لم یرض من اخیه بحسن النیة لم یرض بالعطیة۔ [۴]

جو اپنے بھائی سے حسنِ نیت کے ساتھ راضی نہیں وہ عطیہ پر بھی راضی نہ ہوگا۔

○

---

[۱] بحار الانوار جلد ۱۷ [۲] مستدرک جلد اول صفحہ ۵۴۳

[۳] بحار الانوار جلد ۱۷ [۴] الدرة الباهرة صفحہ ۸۳۔ اعیان ۴/۲ (۲۳۵)

کتابیات

۱۔ اعیان الشیعہ، علامہ محسن الامینؒ ۔ مطبعۃ الانصاف ۔ بیروت ۔ ۱۹۴۰ء

۲۔ منتخب التواریخ ۔ ہاشم خراسانیؒ ، کتاب فروشی اسلامیہ ، تہران ۔ ۱۳۴۳ھ

۳۔ الکافی ۔ محمد بن یعقوب کلینیؒ ۔ دار الکتب اسلامیہ ۔ تہران ۔ ۱۳۸۸ھ

۴۔ منتہی الآمال ۔ شیخ عباس قمیؒ ۔ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ ۔ طہران ۔ ۱۳۷۲ھ

۵۔ حاشیۂ تاریخ الشیعہ ۔ محمد حسین المظفریؒ ۔ مطبوعہ دار الصادر ۔ بیروت

۶۔ مصباح المتہجد ۔ شیخ طوسیؒ ۔ مکتبۂ حیدریہ نجف ۔ ۱۳۸۸ھ

۷۔ تتمۃ المختصر فی اخبار البشر ، ابن الوردیؒ ، المطبعۃ الحیدریہ ۔ نجف ۔ ۱۹۶۹ء

۸۔ سیرۃ الآئمۃ الاثنی عشر ۔ ہاشم معروف الحسینیؒ ۔ دار التعارف للمطبوعات بیروت ۱۹۷۷ء

۹۔ الکافی (اردو ترجمہ) مولانا ظفر حسن صاحب ۔ شمیم بک ڈپو کراچی ۔ ۱۹۷۷ء

۱۰۔ جلاء العیون ۔ علامہ مجلسیؒ ۔ انصاف پریس لاہور

۱۱۔ الارشاد ۔ شیخ مفیدؒ ۔ ۱۲۹۸ھ

۱۲۔ فصول المہمۃ ۔ ابن صباغ مالکی ۔ مطبوعہ مصر ۔ ۱۹۷۷ء

۱۳۔ بحار الانوار ۔ علامہ مجلسیؒ ۔ حجری

۱۴۔ تحفۃ الاحباب ۔ شیخ عباس قمیؒ ۔ تہران ۔ ۱۳۶۹ھ

۱۵۔ رجال الکشی ۔ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات ۔ کربلا (عراق)

۱۶۔ تاریخ الخلفاء ۔ سیوطیؒ ۔ مطبعۃ السعادۃ مصر ۔ ۱۹۵۲ء

۱۷۔ مروج الذھب ۔ مسعودیؒ ۔ مصطفی البابی الحلبی ۔ مصر ۔ ۱۹۶۲ء

۱۸۔ الکامل فی التاریخ ۔ لابن الاثیر ۔ دار صادر بیروت ۔ ۱۹۶۵ء

۱۹۔ انوار الحسینیہ ۔ عبد الرضا بن الشیخ عبد الحسینؒ ۔ مطبعۃ حور بمبئی ۔ ۱۳۴۶ھ

۲۰۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ ۔ علامہ اربلیؒ ۔ مکتبۂ بنی ہاشمی تبریز ۔ ۱۳۸۱ھ

۲۱۔ الصواعق المحرقہ ۔ ابن حجر ہیثمی ۔ مطبوعہ بیروت ۔ ۱۳۹۴ھ

۲۲۔ روائح المصطفیٰ۔ مطبوعہ بمبئی۔ ۱۳۳۶ھ
۲۳۔ نورالابصار۔ شبلنجی۔ مطبوعہ لکھنؤ
۲۴۔ تاریخ یعقوبی۔ ابن واضح یعقوبی۔ مکتبۃ الحیدریہ۔ نجف ۱۹۷۳ء
۲۵۔ شرح الارشاد۔ (نامعلوم)
۲۶۔ مناقب ابن شہر آشوب۔ ۱۳۲۱ھ
۲۷۔ تاریخ الامم والملوک۔ للطبری۔ فارسی ترجمہ، مطبوعہ طہران۔ ۱۹۶۲ء
۲۸۔ تاریخ الامم والملوک۔ للطبری، ہجری
۲۹۔ تاریخ الامم والملوک، للطبری۔ مطبوعہ مصطفیٰ بابی الحلبی مصر۔ ۱۹۶۷ء
۳۰۔ تاریخ الامم والملوک۔ للطبری۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۶۸ء
۳۱۔ المجالس السنیہ۔ علامہ محسن الامین۔ مطبوعہ دارالانصاف، بیروت۔ ۱۹۶۱ء
۳۲۔ تحف العقول۔ ابن شعبۃ الحرانی۔ مؤسسۃ الاعلمی، بیروت ۱۹۷۴ء
۳۳۔ تاریخ ابن خلدون۔ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۶۶ء
۳۴۔ مجموعۂ زندگانی چہاردہ معصومینؑ۔ عمادالدین حسین۔ طہران۔ ۱۳۳۱ھ
۳۵۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیۃ۔ محمد خضری۔ مصر۔ ۱۹۷۰ء
۳۶۔ انوار النعمانیہ۔ نعمت اللہ الجزائری۔ مطبوعہ تہران، مکتبۂ ناصر خسرو۔
۳۷۔ اعلام الوریٰ۔ طبرسیؒ، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت۔ ۱۹۶۶ء
۳۸۔ وسیلۃ النجاۃ۔ مُلا مبین فرنگی محلی۔ مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ۔
۳۹۔ مطالب السئول۔ محمد بن طلحہ شافعی، مطبع جعفری لکھنؤ
۴۰۔ معجم البلدان۔ یاقوت حموی۔ مطبوعہ دارالصادر بیروت۔ ۱۹۷۸ء
۴۱۔ وسائل الشیعۃ (خاتمہ) علامہ حر العاملیؒ۔ داراحیاء التراث العربی۔ ۱۳۹۱ء
۴۲۔ رجال نجاشی۔ بمبئی ۱۳۱۷ھ
۴۳۔ الفہرست۔ شیخ طوسیؒ۔ کلکتہ ۱۲۷۱ھ
۴۴۔ خلاصۃ الرجال۔ علامہ حلیؒ۔ طہران۔ ۱۳۹۱ھ۔ دارالاحیاء التراث العربی

۴۵ ۔ جامع الرواۃ ۔ اردبیلیؒ طہران ۔ ۱۳۹۱ھ ۔ دار الاحیاء التراث العربی ۔

۴۶ ۔ تاسیس الشیعہ ۔ آیۃ اللہ حسن الصدر ۔ منشورات الاعلمی طہران ۔

۴۷ ۔ الفہرست لابن ندیم ۔ مطبوعہ ادارہ ثقافت الاسلامیہ لاہور ۔ ۱۹۶۹ء

۴۸ ۔ اعلام الدین ۔ ابی محمد الحسن بن ابی الحسن محمد الدیلمی ۔

۴۹ ۔ الدرۃ الباھرۃ من الاصداف الطاہرہ ۔ شہید اوّل ۔ ۱۹۶۹ء

۵۰ ۔ مستدرک الوسائل الشیعہ ۔ آیۃ اللہ میرزا حسین نوری ۔ ۱۳۹۱ھ

۵۱ ۔ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۔ حاجی خلیفہ ۔ مطبوعہ مصر ۔ ۱۹۷۲ء

۵۲ ۔ التقریب التہذیب ۔ حافظ ابن حجر ۔ مطبوعہ مصر ۱۹۷۳ء

۵۳ ۔ الاعلان بالتوبیخ ۔ للسخاوی ۔ ۱۹۶۸ء ۔ مرکزی اردو بورڈ ۔ لاہور

۵۴ ۔ الفاروق ۔ شبلی نعمانی ۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۔

۵۵ ۔ جلاء العیون ۔ علامہ مجلسیؒ مطبوعہ طہران من منشورات الاعلمی ۔ ۱۹۷۲ء

۵۶ ۔ مرآۃ العقول ۔ علامہ مجلسیؒ ۔ مطبوعہ طہران ۔ ۱۹۷۸ء

۵۷ ۔ الوافی ۔ محسن فیض ۔ مطبوعہ مصر ۔ ۱۹۶۶ء

۵۸ ۔ الاحتجاج للطبرسی ۔ مطبوعہ طہران ۔ ۱۹۷۲ء

۵۹ ۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ۔ صدوقؒ ۔ مکتبہ صدوق، قم

۶۰ ۔ نتائج التنقیح ۔ علامہ مامقانی ۔ جلد اول

۶۱ ۔ شذرات الذہب ۔ ابن عماد حنبلی ۔

۶۲ ۔ فہرس رجال اختیار معرفۃ الرجال ۔ حسن المصطفوی ۔ مشہد

۶۳ ۔ روضۃ الشہداء ۔ کاشفی ۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

العبد المذنب

محسن مظفر عفی اللہ عنہ

اِسی مصنف کے قلم سے....

۱۔ الرضاؑ : امام علی رضا علیہ السّلام کی سیرت پر مستند ترین کتاب۔ (طبع شدہ)

۲۔ التقیؑ : امام محمد تقی علیہ السّلام کی سیرت پر مستند ترین کتاب۔ (آپکے ہاتھوں میں)

۳۔ النقیؑ : امام علی نقی علیہ السلام کی سیرت پر مستند ترین کتاب (زیرِ طبع ہے)

۴۔ نہج الھدایۃ : اس کتاب میں مصنف نے چہاردہ معصومین علیہم السّلام کے ارشادات : عبادات، ایمانیات، معاشرت، اخلاقیات، معاملات، اخلاقیات، عقلیات وغیرہ پر جمع کئے ہیں۔ اصل عربی عبارت کے ساتھ ساتھ نہایت آسان اردو ترجمہ مع مکمل حوالہ جات۔ (زیرِ طبع)

۵۔ امام رضاؑ اور اصولِ دین : اس کتاب میں اصولِ دین سے متعلق حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تشریحات، مصنف کی اضافی تشریحات کے ساتھ۔
(زیرِ تصنیف)

ادارے کی دیگر مطبوعات

۱۔ لبِ جبریلؑ (مرثیہ)	تاثیر نقوی	قیمت ۵ روپے
۲۔ آیاتِ حق (مرثیہ و سلام)	"	" " "
۳۔ صدائے غم (سلاموں کا مجموعہ)	"	قیمت ۳ روپے

مکتبۂ جہاد الاسلام

۳۹۳/۲۰۔ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی